احمدی نوجوانوں کیلئے

ماہنامہ خالد ربوہ

اگست ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر
سیّد مبشر احمد ایاز

دوسری سالانہ علمی ریلی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان منعقدہ ۷، ۸، ۹ر جولائی ۱۹۹۵ء کے اختتامی اجلاس میں محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان عہد دُہرا رہے ہیں۔

دوسری سالانہ علمی ریلی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں مہمانِ خصوصی محترم سیّد خالد احمد صاحب ناظر بیت المال خرچ مقابلہ نظم میں اوّل آنے والے مکرم عبدالخالق محسن فاروقی صاحب آف لاہور کو انعام دے رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴۲ | قیمت ۵ روپے، سالانہ ۵۰ روپے | شمارہ ۱۰

(ایڈیٹر)

سیّد مبشر احمد ایاز

پبلشر: مبارک احمد خالد

پرنٹر: قاضی منیر احمد

مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ "خالد"

دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

فہرستِ مضامین

کلام الامام۔امام الکلام

ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع کرے

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی جماعت کو نصائح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ہمیشہ دعا میں لگے رہو، نمازیں پڑھو اور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہوگی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔ کوئی بلا اور دکھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا نہیں آتا اور وہ اس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت کی جاوے......

سچا طریق دکھ سے بچنے کا یہی ہے کہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور وفاداری اور اخلاص کا تعلق دکھاؤ اور اس راہ بیعت کو جو تم نے قبول کی ہے سب پر مقدم کرو کیونکہ تم اس کی بابت پوچھے جاؤ گے۔ جب اس قدر اخلاص تم کو میسر آجاوے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع کرے۔ ایسا شخص سارے گھر کو بچا لے گا۔ اصل یہی ہے اس کو مت بھولو۔ نری زبان میں برکت نہیں ہوتی کہ بہت سی باتیں کرلیں۔ اصل برکت دل میں ہوتی ہے اور وہی برکت کی جڑ ہے"۔

(ملفوظات، (طبع جدید) جلد سوم صفحہ ۶۳)

سیرت حضرت مسیح موعودؑ

خدمتِ خلق

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی و الیتامی و المساکین والجار ذی القربی والجارالجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا۔

اس آیت میں اسلامی تعلیم کی دو بنیادی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

اول: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کی تعلیم۔

دوئم: والدین رشتہ داروں یتیموں مسکینوں، ہر قسم کے ہمسایوں خواہ رشتہ دار ہوں یا بے تعلق حتیٰ کہ اپنے ساتھ بیٹھنے والے لوگوں، مسافروں، خادموں اور ملازموں وغیرہ کے ساتھ بھی نیکی، احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مذہب کی تعلیم کا خلاصہ یہی دو حکم ہیں، یعنی خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اسی پر ہر زمانہ کے نبیوں اور رشیوں نے زور دیا اور اپنے پاک نمونوں سے اللہ اور بندوں کے حق قائم کرکے دکھلا دیئے۔

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے بھی یہی تعلیم دی۔ کرشن مہاراج اور حضرت بابانانک نے بھی یہی درس دیا اور سب سے بڑھ کر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اپنے اصل مرکز پر قائم کر دکھایا۔ پھر اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی نے آپ کے نقش قدم پر چل کر اس حسین تعلیم کو اپنے عملی نمونوں سے پھر زندہ کیا۔ آپ نے واضح فرمایا کہ اصل سچی ہمدردی وہ ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت کی جائے۔ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے، کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ کوئی ہو، ہندو یا مسلمان یا کوئی اور"

(روحانی خزائن نمبر ۲: جلد ۷: صفحہ ۲۸۲ تا ۳۸۴)

حقوق العباد کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجہ کی اسلامی تعلیم کا نچوڑ آپ نے یہ پیش فرمایا کہ عدل اور احسان سے بھی بڑھ کر بنی نوع انسان کے ساتھ ایسی نیکی کرو جو ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو۔ یعنی ایسی بے طمع نیکی جو ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے۔ اور یہ کوئی نظریاتی یا فلسفیانہ تعلیم نہیں تھی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عملی نمونہ سے اسے ثابت کر دکھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسے ایک والدہ مہربان اپنے بچوں سے کرتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر"۔ (اربعین نمبرا صفحہ ۲)

آپ نے اپنا نصب العین خدمت خلق بیان کیا۔ فرماتے ہیں۔

مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

یعنی میرا مقصود و مطلوب اور دلی تمنا مخلوق خدا کی خدمت ہے، یہی میرا کام ہے یہی میری ذمہ داری یہی میری راہ اور یہی میرا طریق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو ماموریت کے منصب پر فائز فرمایا۔ تو آپ نے شرائط بیعت میں ایک بنیادی شرط یہ رکھی کہ ہر بیعت کنندہ سچے دل سے اقرار اس بات کا کرے کہ۔

"تمام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔
(تبلیغ رسالت اول صفحہ:۱۴۶)

یہی تعلیم آپ نے اپنی جماعت کو بار بار ذہن نشین کرائی۔ فرمایا۔

1۔ میں دو ہی مسئلے لیکر آیا ہوں اول خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی کا اظہار کرو۔

2۔ تمہارے اندر بجز راستی اور ہمدردی خلائق کے اور کچھ نہ ہو۔ (تبلیغ رسالت ہفتم صفحہ ۴۵)

3۔ بنی نوع انسان کے ساتھ سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک نیکی کی راہ اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔ (الوصیت صفحہ:11)

4۔ ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ تا آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے، اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے۔ تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں۔ (سراج منیر صفحہ:28)

حقوق العباد کی اس اعلیٰ تعلیم کے بیان کے ساتھ میں مسیح پاک علیہ السلام کی سیرت کے کچھ خوبصورت اور ایمان افروز واقعات بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو آج سے ایک صدی پیشتر اسی قادیان کی بستی میں بڑی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو رہے تھے۔ بلاشبہ دیار مسیح میں ذکر حبیب کا بیان ایک عجیب احساس قربت اور وفور شوق کے جذبات پیدا کرتا ہے، جب دن میں کئی بار اس دار المسیح کی زیارت ہوتی ہے۔ جہاں ہمارے آقاو مطاع کے شام و سحر بسر ہوئے تھے۔ جب صبح و شام بیت مبارک اور بیت اقصیٰ میں دعاؤں اور نمازوں کی توفیق ملتی رہی ہے۔ جہاں امام مہدی نمازیں ادا کرتے تھے اور جہاں ان کی پاکیزہ مجالس علم و عرفان سجا کرتی تھیں۔ ایک طرف وہ فلک بوس منارۃ المسیح نظر آ رہا ہے جس پر نامعلوم کتنی مرتبہ وہ مقدس نگاہیں پڑیں تو دوسری طرف روضہ مسیح پاک ہے جہاں آپ کئی مقدس ہستیوں کے جلو میں محو خواب ہیں۔ بے شک آج آپ ہم میں موجود نہیں مگر آخر یہ بستی تو وہی بستی ہے جس کے ذروں نے مسیحا کے قدم چومے۔ انہی گلی کوچوں میں اس برگزیدہ مسیح کے مبارک قدم پڑے اور ہاں انہی فضاؤں

میں ہمارے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سانس لئے جن میں آج ہم سانس لے رہے ہیں۔ اس ماحول کا تصور کر کے آج ہر عاشق صادق کے دل کی وہی کیفیت ہے جو کسی نے کہا کہ ۔۔

ہر راہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شاید کہ وہ گزرے ہوں اسی رہگزر سے

آج وفور جذبات کا یہ عالم مجھے ۱۴۰۰ سال پہلے کے اس مدینہ نبیؐ کی یاد دلاتا ہے، جہاں وفات رسول کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ حدیث سناتے ہوئے آپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس گھر کے باسی نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی۔ اس وقت میں تھا اور آپ تھے کوئی تیسرا نہ تھا اور پھر شدت جذبات سے مغلوب ہو کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے تھے۔ پس اے مسیح محمدی کے عاشقو! آؤ آج ہم بھی اس دار المسیح کے باسی کی باتیں کریں۔ اور بقول حضرت مصلح موعود۔

آؤ حسن یار کی باتیں کریں
گیسوئے خم دار کی باتیں کریں

حقوق العباد کی ترتیب میں قرآن شریف نے اول حق والدین کا رکھا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ حق جس کمال خوبی سے ادا کیا اس کے اندازہ کے لئے آپ کے یہ چند فقرات ہی کافی ہیں۔ فرمایا۔

''میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے یقینی طور پر براباالوالدین جانتے تھے۔''
(کتاب البریہ صفحہ:151)

خدمت والدین کا دعویٰ کرنے والے غور کریں کتنے ہیں جو اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں۔ کہ

اول: محض ثواب کی خاطر خدمت والدین کرنیوالے ہوں۔
دوم: ایسی خدمت ہو کہ اپنے تئیں اس میں فنا کر دیا جائے۔
سوم: اتنی خدمت ہو کہ انسان کو خود یقین ہو جائے کہ والدین اس سے راضی ہیں۔

والدین کے بعد اہل خانہ کا نمبر آتا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ''چاہئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے'' اور اس بارہ میں جو مثالی نمونہ آپ نے پیش فرمایا آپ کے برادر نسبتی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جنہوں نے ایک فرد خانہ کی حیثیت سے آپ کی گھریلو زندگی کا مشاہدہ کیا اس کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

''میں نے اپنے ہوش میں کبھی حضور کو حضرت اماں جان سے ناراض نہیں دیکھا نہ سنا، بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک آئیڈیل جوڑے کی ہوتی ہے۔ بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی دلداری کرتے ہیں جو حضور حضرت اماں جان کی فرمایا کرتے تھے۔''

یہ صرف ایک گواہی نہیں بلکہ حضور کا اہل خانہ سے حسن سلوک زباں زد خلائق تھا، گھر میں کام کرنیوالی عورتیں اکثر یہ کہتی سنی گئیں کہ ''مرجا بیوی دی گل بڑی مندا اے'' دوسری طرف حضرت اماں جان نے بھی خدمت اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

اولاد کے حقوق کا جہاں تک تعلق ہے عام لوگ تو ان حقوق کو سمجھتے ہی نہیں، ان کے نزدیک پڑھ لکھ کر افسر بن جائیں تو یہی بڑی بات ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظریہ اس

بارہ میں بالکل جدا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اولاد کی خواہش ہونی ہی اس لئے چاہئے کہ وہ خادم دین ہو' اولاد کی خواہش کر کے ان کی تربیت نہ کرنا اور ان کے لئے دعا نہ کرنا یا بدنی سزا وغیرہ دینا آپ کو سخت ناپسند تھا۔ فرماتے تھے میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ کوئی نماز ایسی نہیں جس میں اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ آپ نے اپنی اولاد کے لئے کیسی پرسوز دعائیں کی ہیں۔۔

مرے مولا مری یہ اک دعا ہے
تیری درگاہ میں عجز و بکا ہے
مری اولاد جو تیری عطا ہے
ہر اک کو دیکھ لوں وہ پارسا ہے
تیری قدرت کے آگے روک کیا ہے
وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے
وہ ہوں میری طرح دیں کے منادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

آپ کی انہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ آپ کی سب اولاد راہ مولی میں زندگیاں وقف کرنیوالی اور خادم دین ٹھہری۔

اور ہاں! اے احمدیو! دیکھو' دیکھو ان مقبول دعاؤں کے ایک شریں ثمر اور دین حق کے منادی خدا کے شیر خلیفہ رابع کو تو دیکھو جو آج اس دوسرے نافلہ موعود کی شکل میں کبھی دعوت الی اللہ اور کبھی مباہلہ کے میدانوں میں اپنے عظیم دادا کی طرح دنیا میں چومکھی لڑائی لڑ رہا ہے اور یہ پرشوکت اعلان کر رہا ہے۔۔

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

قرابت داروں کے بعد ملازموں اور خادموں کا ذکر آتا ہے' اپنے خدام کے ساتھ بھی حضور کا سلوک نہایت محبت' سادگی اور بے تکلفی کا تھا۔ سنت نبوی کے مطابق آپ کا معمول تھا کہ اگر کوئی خادم شریک سفر ہوتا تو نصف راستہ اسے گھوڑے پر سوار کراتے اور خود پیدل چلتے اور نصف راستہ سوار ہوتے۔ بڑے بڑے رؤسا کی دعوتوں میں تشریف لے گئے جہاں نوکروں کے لئے الگ کھانے کا انتظام تھا آپ نے اپنے ملازموں کو رؤسا کے کھانے کی جگہ پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ گھر میں آپ کی سادگی دیکھ کر بعض دفعہ باہر سے آنیوالی مہمان عورتیں حیران ہو کر کہتیں کہ ہمارے پیر تو جب اندرون خانہ آتے ہیں تو جیسے ایک تہلکہ مچ جاتا ہے اور ملازموں پر جیسے آفت ٹوٹ پڑتی ہے۔ مگر حضور کا سلوک خادموں سے عجیب عفو اور درگزر کا تھا۔ بطور نمونہ دو لطیفے عرض کرتا چلوں۔

گھر میں ایک دیہاتی خادمہ تھی وہ اردو کے بعض الفاظ سمجھ نہ پاتی تھی۔ حضور نے ایک دفعہ اسے فرمایا کہ ایک خلال لاؤ۔ وہ جھٹ پتھر کا دوائیاں کوٹنے والا کھرل اٹھا لائی۔ حضرت صاحب دیکھ کر بہت ہنسے مگر اسے کچھ نہ کہا۔

ایک دفعہ دروازے پر دستک ہوئی۔ یہی ملازمہ گئی میاں غلام محمد کاتب نے کہا کہ جا کر کہو کاتب آیا ہے اس نے جا کر پیغام دیا کہ حضور! قاتل دروازے پر کھڑا ہے اور بلاتا ہے حضور بہت محظوظ ہوئے اور ہنس کر ٹال دیا۔

(سیرت المہدی روایت:348)

حضور کے دیرینہ خادم حافظ حامد علی صاحب کی شہادت آپ کے اخلاق کے بارہ میں یہ تھی کہ میں نے تو ایسا انسان کبھی دیکھا ہی نہیں۔ مجھے ساری عمر میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ جھڑکا اور نہ سختی سے خطاب کیا بلکہ میں بڑا ہی سست تھا اور اکثر آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیر کر دیتا

تھا۔ بایں ہمہ آپ سفر میں مجھے ساتھ رکھتے"

(سیرت عرفانی جلد 3 صفحہ 27)

مصاحبوں اور دوستوں سے حضور کا تعلق دنیا کے عام پیروں اور مریدوں سے بہت نرالا تھا۔ اپنے مریدوں سے تعلق کا کیسا پیارا نقشہ آپ کے دل میں تھا فرماتے ہیں۔

"میری بڑی آرزو ہے کہ میرا ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میں میرا گھر ہو اور ہر ایک گھر میں میری کھڑی ہو کہ ہر ایک سے واسطہ رابطہ رہے۔"

(سیرت مولوی عبدالکریم صفحہ:24)

اپنے مریدوں سے سچی اور دلی ہمدردی کا نمونہ آپ کی دعائیں تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے پاس دعا کے لئے جو خط آتا ہے میں اسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے رکھ نہیں دیتا جب تک دعا نہ کر لوں کہ شاید (پھر) موقع نہ ملے یا یاد نہ رہے۔ (سیرت عرفانی جلد 3 صفحہ 97)

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا تو مقصد اعلیٰ ہی یہ تھا کہ اپنے دوستوں کے حق میں مقبول دعاؤں کی توفیق پائیں۔ ایک دفعہ فرمایا۔

"میں اس بات کے پیچھے لگا ہوا ہوں کہ اپنی جماعت کے واسطے ایک خاص دعا تو ہمیشہ کی جاتی ہے مگر ایک نہایت جوش کی دعا کرنا چاہتا ہوں۔ جب اس کا موقع مل جائے"

(سیرت عرفانی جلد 5 صفحہ 35)

حق یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے ساتھیوں سے شفقت بے پایاں بھی اپنے آقا و مولا کی پیروی میں ایسے اعلیٰ درجے کی تھی جہاں ماں باپ کی شفقت پیچھے رہ جاتی ہے۔ حضور اپنے جانثاروں کی تکلیف اپنی تکلیف سمجھتے تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی آخری بیماری میں حضور کا رات کا سونا حرام ہو گیا۔ باوجودیکہ دوران سر کی شکایت تھی ساری رات مولوی صاحب کے لئے دعاؤں میں لگے رہے۔ ایک دن فرمایا:۔

"میں نے بہت دعا کی ہے۔ اس قدر دعا کی ہے کہ تقدیر مبرم نہیں تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگی۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی اس قسم کا اضطراب اور فکر میں نے اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں کیا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ دو چار منٹ کے لئے سو جاؤں مگر میں نہیں جانتا کہ نیند کہاں چلی گئی"۔

یہ تو دعاؤں کا حال تھا۔ آپ نے تدبیر کی بھی انتہا کر دی۔ مولوی صاحب کے علاج کے لئے حضرت مولانا نورالدین صاحب کے علاوہ دو قابل سرجن ہر وقت پاس موجود رہتے جن سے حضور باقاعدہ وقفے وقفے سے رپورٹ لیتے۔ ہر قسم کا پھل باہر سے منگوا کر مولوی صاحب کے پاس مہیا کیا جاتا اور غذائیں حسب حال و ضرورت حاضر کی جاتیں۔ الغرض کوئی ایسی چیز باقی نہ رہ گئی جس کی نسبت خیال ہو کہ مولوی صاحب کے علاج کے لئے مفید ہوگی اور ان کے لئے بہم نہ پہنچائی گئی ہو۔ مولوی صاحب کے والد اس اعلیٰ انتظام اور علاج کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم اپنی تمام جائیداد نیلام بھی کر دیتے اور چاہتے کہ ہمارے بیٹے کا ایسا علاج ہو تو ناممکن تھا۔

(سیرت عرفانی جلد 3 صفحہ 32)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان کے رئیس تھے۔ علاوہ مریدوں کے خادموں کی کمی نہ تھی مگر خود اپنے ہاتھ سے اپنے دوستوں کی خدمت اور مہمان نوازی کر کے لذت اٹھاتے تھے۔ حضرت سیٹھی غلام نبی صاحب آف راولپنڈی اپنا خوبصورت واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں قادیان میں آیا۔ سردی کا موسم تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ میں شام کا کھانا کھا کر

بقیہ صفحہ 13 پر

تحریک وقف نو سے متعلق چند ضروری گزارشات

بعض احباب خطوط کے ذریعہ یا ٹیلی فون پر رابطہ کرکے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وقف نو میں شمولیت ابھی جاری ہے کہ نہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احباب کی اطلاع اور رہنمائی کے لئے اس ضمن میں تفصیلی ہدایات شائع کردی جائیں۔

(1) تحریک وقف نو میں شمولیت ابھی جاری ہے۔ جیسا کہ حضور انور نے جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۴ء کے دوسرے روز اپنے خطاب کے دوران فرمایا تھا کہ "واقفین نو کا ٹارگٹ بڑھا کر پندرہ ہزار مقرر کیا گیا ہے۔ اس وقت ٹارگٹ کے پورا ہونے میں دو ہزار بچوں کی گنجائش ہے۔"

(2) تحریک وقف نو میں شمولیت کے لئے ضروری ہے کہ ایسے بچوں کی تاریخ پیدائش، تحریک وقف نو کے آغاز کے بعد یعنی تین اپریل ۱۹۸۷ء کے بعد کی ہو۔

(3) تین اپریل ۱۹۸۷ء سے قبل کے پیدا شدہ بچوں کی درخواستیں وقف نو کے لئے نہ بھجوائی جائیں بلکہ ان کے وقف کے لئے وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ سے رابطہ کرکے وقف اولاد کے تحت کارروائی کی جائے۔

(4) بچوں کے وقف کے متعلق حضور انور کی خصوصی ہدایات کے تحت صرف وہ بچیاں وقف نو میں شامل کی جارہی ہیں جن کی ولادت سے قبل والدین نے انہیں وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اگر والدین کسی وجہ سے پیدائش سے قبل درخواست نہ بھجوا سکے ہوں لیکن ان کی نیت یہی تھی کہ وہ ہونے والے بچہ / بچی کو وقف نو میں پیش کریں گے تو خط لکھتے وقت اپنی اس نیت کا وضاحت سے ذکر کردیا کریں۔

(5) بعض والدین سمجھتے ہیں کہ وقف کے لئے مقامی جماعت میں اطلاع کرنا کافی ہے۔ وقف نو میں شمولیت کے لئے مناسب طریق یہ ہے کہ والدین خوب سوچ سمجھ کر دعاؤں سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کرنے کے بعد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں خود تحریری طور پر وقف کی درخواست بھجوائیں۔

(6) بعض احباب اپنے رشتہ داروں یا عزیزوں اور دوستوں کے بچوں کے وقف کے متعلق درخواست بھجواتے ہیں۔ درست طریق یہ ہے کہ وقف کی درخواست والدین خود بھجوائیں۔

(7) درخواست بھجواتے وقت بعض احباب مکمل کوائف درج نہیں فرماتے اور بعض صورتوں میں پتہ، حتیٰ کہ شہر یا ملک کا نام بھی درج نہیں کرتے جس سے ان کے خطوط پر کارروائی کرنا ممکن نہیں ہوتا یا اس میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔ اسلئے گزارش ہے کہ وقف نو کے ضمن میں درخواست بھجواتے وقت مندرجہ ذیل کوائف ضرور بھجوایا کریں۔

(الف) بچہ / بچی کے والد کا نام۔ (ب) بچہ / بچی کے دادا کا نام۔ (پ) بچہ / بچی کی والدہ کا نام۔ (ت) بچہ / بچی کا نام (اگر ولادت ہو چکی ہو) (ث) بچہ / بچی کی تاریخ پیدائش (اگر ولادت ہو چکی ہو)۔ (ج) گھر کا مکمل پتہ جس پر جواب بھجوایا جاسکے۔ (ح) جس جگہ بچہ کی مستقل رہائش ہو اس جماعت کا نام تاکہ اس جماعت میں بچے کا نام اعداد و شمار کے لئے شامل کیا جاسکے۔

(8) جو احباب پہلے ہی اپنے بچہ / بچی کو وقف نو میں پیش کرچکے ہیں۔ اگر وہ مزید اپنے کسی بچے کو وقف کرنے کے لئے درخواستیں بھجوائیں تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے پہلے بچے کا نام، وقف نو کا حوالہ نمبر ضرور درج کیا کریں تاکہ ان کا ریکارڈ تلاش کرنے میں سہولت ہو۔

(9) پتہ تبدیل ہونیکی صورت میں نہایت ضروری ہے کہ شعبہ وقف نو لندن یا وکالت وقف نو ربوہ کو اپنے نئے پتہ سے آگاہ کیا جائے۔ شعبہ وقف نو لندن کا پتہ درج ذیل ہے۔

The London Mosque, 16 Gressen Hall Road, London SW18 5QL (U.K)

(10) شعبہ وقف نو لندن سے جو حوالہ نمبر وقف نو ارسال کیا جاتا ہے اسے سنبھال کر رکھا جانا چاہئے۔ دفتری خط و کتابت کرتے وقت یہ حوالہ نمبر ضرور درج کریں۔

(11) بعض سیکرٹریان وقف نو ایک اجتماعی لسٹ میں واقفین کا نام برائے منظوری بھجوادیتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ والدین انفرادی طور پر وقف کی درخواستیں بھجوائیں۔

(12) وقف نو میں منظوری کے بعد اپنی مقامی جماعت کے سیکرٹری وقف نو سے رابطہ کرکے وقف نو کے پروگراموں میں شمولیت اختیار کی جائے۔

(13) وقف نو کے ضمن میں بہت سا لٹریچر مثلاً حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے پانچ خطبات اور نصاب واقفین نو وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ انہیں اپنی مقامی جماعت کے توسط سے حاصل کرکے ان کا مطالعہ کیا جائے اور جو ہدایات ان میں درج ہیں ان پر عمل کی پوری کوشش کی جائے۔

(ڈاکٹر شمیم احمد۔ انچارج شعبہ وقف نو۔ لندن) (الفضل انٹرنیشنل 23۔ دسمبر تا 29۔ دسمبر 1994ء)

روشن ستارے

حضرت منشی اروڑے خان صاحب

(تحریر مکرم مقصود منیب صاحب)

نام حضرت منشی اروڑے خان صاحب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جید..... "رفقاء" میں سے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا نام اپنی کتاب ازالہ اوہام میں "منشی محمد اروڑا صاحب" تحریر فرمایا ہے۔

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۳۲)

پیدائش آپ ۱۸۴۶ء میں کپورتھلہ میں پیدا ہوئے اور ۷۵ سال کی عمر پائی۔

تعلیم اس زمانے کے مروجہ طریق کے مطابق آپ نے مکتبوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی لیکن چھوٹی عمر میں آپ کے والد صاحب نے آپ کو کام پر لگا دیا۔ آپ چوبی کاری کا کام کرتے رہے۔ اسی دوران آپ کے والد صاحب کی وفات ہوگئی اور گھر میں چونکہ آپ سب سے بڑے تھے لہذا سارے کنبہ کا بوجھ آپ کے کندھوں پر آپڑا۔ اسی وجہ سے آپ نے کچہری آنا جانا شروع کر دیا اور ابتداء میں مذکوریا کا کام کرتے رہے۔ جس سے کچھ آمد ہو جاتی تھی۔ بعد ازاں آپ کو چپڑاسی اور پھر خوانده چپڑاسی کا کام ملا اور پھر اہلمد کے عہدے پر پہنچ گئے اور جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا ذکر ازالہ اوہام میں فرمایا اس وقت آپ نقشہ نویس کا کام کر رہے تھے۔ اس کام میں آپ کی قابلیت بہت مسلم تھی۔ حکام اکثر آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ کو "سررشتہ دار" مقرر کر دیا گیا۔ اپنی دیانت، محنت اور لگن سے آپ نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار کے عہدے پر پہنچے اور جب آپ کو پنشن ہوئی تو آپ تحصیل بھنگوال ریاست کپورتھلہ میں تحصیل دار تھے۔ ۱۹۱۴ء میں پنشن لی اور ۱۹۱۵ء میں قادیان آگئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پنشن میں سے ایک حصہ اپنے لئے رکھ کر باقی سلسلہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

حلیہ گوری رنگت، درمیانے قد، گول اور چوڑے چہرے، بڑے سر اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ساتھ بڑی اور خوبصورت آنکھیں اور لمبی سیدھی خوبصورت ناک والے حضرت منشی صاحب خوب صحت مند جسم رکھتے تھے۔

لباس کچہری وغیرہ کے زمانے میں آپ اعلیٰ لباس زیب تن کرتے تھے لیکن قادیان آنے کے بعد آپ کا بہت ہی سادہ لباس ہوتا تھا۔ گرمیوں میں سر پر ٹوپی، لنگی اور کرتہ اور سردی میں سر پر لنگی، گرم کوٹ، گرم پاجامہ اور ایک لوئی رکھتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے پہلی ملاقات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلی ملاقات ۱۸۸۴ء کے بعد ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت اقدس بٹالہ میں مقیم تھے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اول زندہ تھے اور ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ جب عیسائیوں کی طرف سے اشتہار شائع ہوا کہ اگر آپ ملہم ہیں تو پھر ہم لفافہ میں کچھ لکھ کر رکھیں۔ آپ بتادیں۔ جس کے مقابل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہمارا

خدا قادر ہے کہ وہ خفیہ تحریر کو اپنے بندہ کو بتلادے لیکن جب کچھ مضمون بتلادیں تو آپ کو ایمان لانا ہوگا"۔

حضرت منشی صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"ہم لوگ بڑے مذہبی تھے اور مولویوں کو بلا کر وعظ کروایا کرتے تھے لیکن ایسا شخص جو صداقت کے اثبات کے لئے سینہ تان کر دشمن کے مقابل آئے اور کہے کہ میں ثبوت دیتا ہوں' کوئی نہیں تھا اور اسی بات نے ہمارے دل پر اثر کیا"۔

حضرت اقدس نے ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے عام بیعت کا اعلان کیا۔ حضرت صاحب قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے ۔ وہاں سے حضرت صاحب نے مارچ ۱۸۸۸ء میں ایک اشتہار دیا جس میں بیعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی تھی اور لدھیانہ پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ حضرت منشی اروڑے خان صاحب' منشی ظفر احمد صاحب اور منشی محمد خان صاحب بیعت کے لئے گئے۔ حضرت منشی اروڑے خان صاحب نے گیارھویں نمبر پر بیعت کی اور اپنی ڈیوٹی پر واپس چلے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا ذکر ازالہ اوہام میں بھی فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا کہ:۔

"حبی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسٹریٹی' منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔ خدمات کو نہایت نشاط سے بجالاتے ہیں بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عجیب منشرح الصدر اور جانثار آدمی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔ شاید ان کو اس سے بڑھ کر کسی اور بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال اور اپنے وجود کی ہریک توفیق سے کوئی خدمت بجالاویں اور دل و جان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ (آمین)"۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد نمبر ۳ صفحہ ۵۳۲)

جب ریاست کی طرف سے آپ کی خدمات کے عوض آپ کو خان صاحب کا خطاب ملا تو کہنے لگے دیکھو خدا نے اس (حضرت اقدس مسیح موعود) کی باتوں کو کیسا سچ کیا ہے۔ اس نے میرے متعلق لکھا کہ سچائی کے کاموں کے کرنے میں یہ شخص بہادر ہے۔ اب بہادر پٹھان ہوتے ہیں۔ میں ذات کا "چھینبا" (دھوبی)۔ اس کی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے خدا نے مجھے خان صاحب کا خطاب دلوایا ہے۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

جب حضرت منشی صاحب سے پوچھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیح موعود سے آپ کو گھبراہٹ تو نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ گھبراہٹ تو ان کو ہوتی ہے جنہوں نے اس کو دیکھا نہ تھا۔ ہم نے تو ان کو دیکھا تھا۔ پھر کیوں گھبرانے لگے۔ اس کے منہ نے ہمیں بتایا کہ وہ سچا ہے اور جو کہتا ہے حق کہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر ایک ابتلاء کے وقت خدا نے ہمارے قدم کو مضبوط رکھا۔ (الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

آپ کا پختہ ایمان

ایک دفعہ ایک جلسہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے حضرت صاحب کے خلاف تقریر کی اور احمدیت کے خلاف بہت دلائل دیئے۔ جب منشی صاحب کے دوست نے آپ سے کہا کہ اس کا جواب دیں تو کہنے لگے کہ میں نے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہوئی ہے وہ جھوٹے نہیں ہوسکتے۔

(الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۵)

مسٹر والٹر جو آل انڈیا وائی ایم سی اے کے سیکرٹری تھے۔ جب ۱۹۱۶ء میں قادیان آئے تو انہوں نے یہ خواہش کی کہ مجھے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کسی پرانے رفیق سے ملوایا جائے تو ان کی ملاقات حضرت منشی صاحب سے کروائی گئی۔ مسٹر والٹر نے آپ سے جب یہ سوال کیا کہ آپ پر مرزا صاحب کی صداقت کی کس دلیل نے اثر کیا؟ منشی صاحب نے کہا کہ میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں اور زیادہ علمی دلیلیں نہیں جانتا مگر مجھ پر جس بات نے زیادہ اثر کیا وہ حضرت صاحب کی ذات تھی۔ جس سے زیادہ سچا اور زیادہ دیانت دار اور خدا پر ایمان رکھنے والا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ انہیں دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ باقی میں تو اس کے منہ کا بھوکا تھا۔ مجھے زیادہ دلیلوں کا علم نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ حضرت صاحب کی یاد میں اس قدر بے چین ہو گئے کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ پڑے اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اس وقت مسٹر والٹر کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ ان کے چہرے کا رنگ بالکل سفید ہو گیا اور بعد میں انہوں نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب Ahmadiyyah Movement میں کیا۔

(الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء)

بچوں سے محبت منشی صاحب اکثر قادیان آیا کرتے تھے۔ جب آپ قادیان آتے تو فوری طور پر حضرت صاحب کو اطلاع دیتے تھے۔ بچوں کو بلاتے اور خاص طور پر جب آپ قادیان آتے تو بچوں میں ایک شور مچ جاتا تھا کہ "منشی صاحب آگئے" منشی صاحب آگئے۔ آپ بھی اکثر صاحبزادگان کو قاصد بنا کر بھیجا کرتے تھے اور میاں غلام حسین صاحب رہتاسی کا بیان ہے کہ جب آپ قادیان آتے تو بٹالہ سے ہی پیسے تڑوا کر لے آتے اور بچوں میں تقسیم کرتے۔ ایک مرتبہ آپ آئے تو میاں بشیر احمد صاحب کو قاصد بنا کر بھیجا تو میاں صاحب حضرت صاحب کا دامن پکڑ کر آپ کو باہر لے آئے۔ اس پر حضرت صاحب نے ہنس کر فرمایا "منشی جی آپ کے پیارے بڑے سخت ہیں"۔ (الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت صاحب اور قادیان کی طرف

میلان حضرت منشی صاحب اکثر اوقات قادیان آتے۔ یکہ سے اتر کر حضرت صاحب سے ملاقات کرتے اور کسی سے نہ ملتے اور واپس چلے جاتے۔ حضرت صاحب فرماتے منشی صاحب اتنی جلدی! آپ عرض کرتے حضرت! بس زیارت کے لئے آیا تھا۔ اس پر حضرت صاحب اکثر شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

در حقیقت بس است یاد یکے
دل یکے جاں یکے نگار یکے

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت منشی صاحب کو جب کبھی بھی فرصت ملتی قادیان کی طرف دوڑ پڑتے۔ سید عزیز الرحمان بریلوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کپور تھلہ میں ملازمت کے دوران جب کبھی چھٹی ملتی ایک آدھ دن کی یا رقم پاس آتی تو کہنے لگتے ابھی ہمارا نشہ نہیں اترا۔ ہم میں سے اگر کوئی کہتا کہ ابھی ہاتھ تنگ ہے تو بہت خفا ہوتے اور کہتے کہ فوراً میرے سامنے سے چلے جاؤ۔

حضرت منشی صاحب جب قادیان آتے تو نئے نئے راستوں سے آتے اور ہر دفعہ نیا تحفہ لے کر آتے۔ جب آپ قادیان آتے تو بیت میں اس جگہ کپڑا رکھ دیتے جہاں سے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب بیٹھ سکیں۔ نماز ختم ہوتی تو حضرت صاحب کے پاؤں سے لپٹ جاتے۔ حضرت صاحب آپ کو دیکھتے ہی اپنے پاؤں آگے کر دیتے اور آپ پاؤں نرمی سے دباتے رہتے۔ (الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ سفروں میں

حضرت اقدس کے تمام سفروں میں سوائے دو تین سفروں کے حضرت منشی صاحب آپ کے ساتھ رہے۔ سفر جہلم اور لاہور کے آخری سفر میں آپ شریک نہیں تھے۔

دہلی کے سفر کے بارے میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ہی حضرت اقدس کے قاصد ہوتے تھے جو خط لے کر مولوی نذیر حسین دہلوی کے پاس جاتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے عشق

ایک دفعہ حضرت منشی صاحب نے اپنے مجسٹریٹ سے کہا کہ میں قادیان جانا چاہتا ہوں۔ کچھ رخصت دے دیں۔ اس وقت آپ سیشن جج کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے کام بہت ہے اس وقت چھٹی نہیں مل سکتی۔ حضرت منشی صاحب نے فرمایا بہت اچھا آپ کا کام ہوتا رہے گا میں تو آج ہی بد دعا کرنے لگا ہوں۔ اگر آپ نہیں جانے دیتے تو نہ جانے دیں۔ آخر اس مجسٹریٹ کو کوئی نقصان پہنچا کہ وہ سخت ڈر گیا اور جب بھی ہفتہ کا دن آتا وہ عدالت والوں سے کہتا آج ذرا کام جلدی بند کر دینا کیونکہ منشی صاحب کی گاڑی نہ نکل جائے۔ اس طرح جب بھی آپ نے قادیان آنا ہوتا وہ مجسٹریٹ آپ کو رخصت دے دیتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ یہ عشق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی جاری رہا بلکہ اس قدر بڑھا کہ اسی بستی کے ہو کر رہ گئے اور پھر وہیں دفن ہوئے۔

حضرت منشی صاحب کے اس عشق مسیح موعود کے بارے میں حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

"مجھے وہ نظارہ نہیں بھول سکتا کہ حضرت مسیح موعود کی وفات پر ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن باہر سے مجھے کسی نے آواز دے کر بلوایا اور خادمہ یا بچہ نے بتایا کہ دروازے پر ایک آدمی کھڑا ہے جو آپ کو بلاتا ہے۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ منشی اروڑے خان صاحب کھڑے تھے۔ وہ بڑے تپاک سے آگے بڑھے۔ مجھ سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے اپنی جیب سے دو یا تین پاؤنڈ نکالے اور مجھے کہا کہ یہ حضرت اماں جان کو دے دیں اور یہ کہتے ہوئے ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور ان کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کسی بکرے کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ میں کچھ حیران ہو گیا کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ میں خاموش رہا۔ جب آپ کو صبر آیا تو میں نے کہا آپ کیوں روئے تو کہنے لگے میں غریب آدمی تھا مگر جب چھٹی ملتی میں قادیان آنے کے لئے چل پڑتا۔ سفر کا بہت سا حصہ پیدل طے کرتا تاکہ سلسلہ کی خدمت کے لئے کچھ پیسے بچ جائیں مگر پھر بھی روپیہ ڈیڑھ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ یہاں آ کر امراء کو دیکھتا کہ وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے بڑا روپیہ خرچ کر رہے ہیں تو میرے دل میں بھی خیال آتا کہ کاش میرے پاس روپیہ ہو تو میں حضرت صاحب کی خدمت میں بجائے چاندی کے سونے کا تحفہ پیش کروں۔ آخر میری تنخواہ کچھ زیادہ ہو گئی اور میں نے ہر مہینے بچت کرنی شروع کر دی اور میں نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ جب یہ رقم اتنی ہو جائے گی جو میں چاہتا ہوں تو میں اسے پاؤنڈز میں تبدیل کر کے پیش کروں گا۔ جب میرے پاس ایک پاؤنڈ کے برابر رقم ہو گئی تو وہ رقم دے کر ایک پاؤنڈ لے لیا۔ پھر دوسرے پاؤنڈ کے لئے رقم جمع کرنی شروع کر دی۔ اس طرح آہستہ آہستہ رقم جمع کر کے اسے پاؤنڈوں میں تبدیل کرا لیا۔ میرا منشا یہ تھا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں یہ

رقم پیش کروں گا مگر جب میرے دل کی خواہش پوری ہوئی اور میرے پاس پاؤنڈ جمع ہو گئے تو حضرت مسیح موعود کی وفات ہو گئی۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کے عشق کا پتہ چلتا ہے وہاں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے جذبہ کا بھی علم ہوتا ہے۔

بیماری اور وفات

قادیان میں آنے کے بعد ۱۹۱۶ء میں آپ بیمار ہو گئے۔ دیار حبیب میں ہی دفن ہونا چاہتے تھے۔ ایک دن بہشتی مقبرہ کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ میری سب خواہشیں پوری ہو گئی ہیں۔ اب ایک خواہش ہے کہ یہ جسد خاکی بھی اس جگہ (بہشتی مقبرہ) میں دفن ہو۔

وفات سے قبل جمعرات کے روز مغرب کی نماز بیت مبارک میں پڑھی اور پھر حالت غیر ہو گئی۔ اگلے روز جمعہ کے بعد حضرت خلیفہ المسیح الثانی' ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے ساتھ گئے۔ نبض دیکھی گئی۔ چمچ سے دودھ پلایا گیا۔ بخار کا زور تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حضرت مصلح موعود عصر کی نماز تک وہیں رہے۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کا خیال تھا کہ دماغ کی شریان پھٹ گئی ہے۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے ڈاکٹر رشید الدین صاحب' مولوی عطا محمد صاحب کمپوڈر کو چھوڑ کر گھر چلے گئے اور ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد اس عاشق مسیح کی روح جسد عنصری سے پرواز کر کے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ہفتہ ۲۶۔ اکتوبر کے روز آپ کو حضرت ....(اماں جان) کے مکان کے احاطہ میں شیخ محمد صاحب پوسٹ مین نے غسل دیا۔ حضرت مصلح موعود نے بعد از نماز عصر نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جنازے کو کندھا بھی دیا۔ حضرت منشی صاحب کی قبر حضرت مصلح موعود کے ارشاد کے مطابق حضرت مسیح موعود کی قبر کے نزدیک تیار کروائی گئی جو آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرتا چلا جائے۔ آمین۔

بقیہ از صفحہ 7

لیٹ گیا۔ رات کے بارہ بجے کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اٹھ کر دیکھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں۔ ایک ہاتھ میں دودھ کا گلاس ہے اور دوسرے میں لالٹین۔ میں حضور کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آ گیا تھا۔ میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں۔ آپ کو شاید دودھ کی عادت ہو گی۔ اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لے آیا ہوں۔ میٹھی صاحب کہا کرتے تھے میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ مسیح اپنے ادنیٰ خادموں کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے۔ باقی آئندہ

ولادت

مکرم برادرم ظہیر احمد خان صاحب مربی سلسلہ (معاون صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان) کو اللہ تعالیٰ نے ۱۵ جولائی ۱۹۹۵ء کو دو بیٹوں کے بعد پہلی بیٹی عطا فرمائی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت بچی کا نام "سلمیٰ ظہیر" عطا فرمایا ہے۔ بچی خدا کے فضل سے حضور انور کی تحریک وقف نو میں شامل ہے۔ بچی محترم رشید احمد خان صاحب ابن حضرت منشی دیانت خان صاحب آف کانگڑا رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی اور محترم عبد الرشید خان صاحب کی نواسی ہے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوفہ کو نیک' صالحہ' خادمہ دین اور آسمان احمدیت کا روشن ستارہ بنائے۔ آمین

(محمد زکریا ورک صاحب۔ کینیڈا)

ہر ذی شعور مسلمان اس بات پر دل سے یقین رکھتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطہر قلب پر تیئس (23) سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ قرآن کریم ایک الہامی کتاب ہے جس کا ہر لفظ، ہر نقطہ بلاشبہ جس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ وہ آج بھی ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد ویسے کا ویسا ہی محفوظ ہے کیونکہ اس کے ازلی اور ابدی طور پر مستند و محفوظ ہونے کی ذمہ داری خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ خود لی ہے۔

قرآن کریم ایک سائنسی کتاب نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ خدا کی طرف سے نازل کردہ ایک دائمی کتاب ہے اس لئے فطرت کے مطالعہ سے مطابقت رکھتے ہوئے اس میں سائنسی مشاہدات کے بارہ میں بہت سی آیات ملتی ہیں۔ دور حاضر میں سائنس کے میدان میں جو ان گنت دماغ کو چکرا دینے والی ترقیات ہوئی ہیں ان کے بارہ میں قرآن پاک کی بعض آیات میں جس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اسے دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ مثلاً انسان کی پیدائش کے بارے میں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لطیف نکتے بیان فرمائے ہیں کہ سوچنے سمجھنے والا انسان بے اختیار "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" کہہ اٹھتا ہے۔

(پروفیسر کیتھ مور کا مضمون یونیورسٹی آف ٹورنٹو ۱۹۸۹ء)

کسی بات کے غیر مستند یا غلط ہونے کا ایک ثبوت یہ ہوتا ہے کہ اس بات یا شہادت میں تضاد پایا جاتا ہو۔ مگر قرآن کریم ہر قسم کے تضادات سے کلیۃً پاک ہے۔ جیسے فرمایا۔

"پس کیا وہ لوگ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے اور نہیں اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ (سورۃ النساء: ۸۳)

یہ رہتی دنیا تک کا چیلنج آج سے ۱۴۰۰ سال قبل جاری ہوا تھا۔ مگر کوئی مائی کا لال ان چودہ سو سالوں میں اس کو قبول نہ کر سکا۔ ذرا ایک لحہ کے لئے غور فرمائیں کہ ان چودہ سو سالوں میں کرہ ارض پر کتنے ذہین و فطین انسان پیدا ہو چکے ہیں۔ مگر کوئی بھی قرآن میں تضاد تلاش نہ کر سکا اور نہ آئندہ کوئی کر سکے گا کہ یہ تو ابدی صداقتوں پر مشتمل کلام ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ قرآن مجید کی سور الفجر میں جزیرہ عرب میں مدفون ایک شہر کا ذکر ہوا ہے جس کا نام "ارم" (Iram) تھا اور جس میں عاد کی قوم آباد تھی۔ عاد قوم کی سطوت و جبروت کا ذکر قرآن پاک کی ۶۳ آیات میں گیارہ مختلف سورتوں میں ہوا ہے۔ یہ سورتیں ہجرت سے قبل مکہ کے ایام

میں نازل ہوئی تھیں۔ مندرجہ ذیل چند ایک آیات پر ذرا غور فرمائیں۔

☆ "اور عاد کو بھی اور ثمود کو بھی (ہماری طرف سے ایک ہلا دینے والے عذاب نے پکڑ لیا) اور (اے اہل مکہ) تم پر ان شہروں کا حال خوب ظاہر ہے"۔

(سورۃ العنکبوت:۳۹)

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو عاد مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

☆ "کیا تم ہر ایک اونچے مقام پر جھوٹی شہرت کے لئے یادگار عمارتیں بناتے ہو اور تم بڑے بڑے محل بناتے ہو گویا تم ہمیشہ زندہ اور قائم رہو گے"۔

(سورۃ الشعراء:۱۲۹-۱۳۰)

☆ "اور ہم ان بستیوں کو بھی ہلاک کر چکے ہیں جو تمہارے اردگرد ہیں"۔

(سورۃ الاحقاف:۲۸)

شہر ارم کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہوا ہے۔

"اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝"

(سورۃ الفجر:۷ تا۹)

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے رب نے قوم عاد سے کیا معاملہ کیا یعنی ارم شہر والوں سے جو بڑے بڑے ستونوں والی عمارتوں میں رہتے تھے وہ لوگ جن (کے زور و قوت) کی مثل کوئی قوم ان ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی تھی"۔

عاد ارم کے ریت کے طوفان سے ہلاک ہونے کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہوا ہے۔

"اور عاد ایک ایسے عذاب سے ہلاک کئے گئے جو ہوا کی صورت میں آیا تھا۔ جو یکساں چلتی تھی اور سخت تیز تھی۔ اللہ نے ہوا کو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن ان کی تباہی کے لئے مقرر کر چھوڑا تھا۔ پس اے (دیکھنے والے) تو اس قوم کو ایک کٹی ہوئی گری پڑی حالت میں پائے گا گویا کہ وہ کھجور کے ایک کھوکھلے درخت کی جڑیں ہیں۔ جن کو تیز آندھی نے گرا دیا تھا"۔

(ترجمہ از تفسیر صغیر سورۃ الحاقہ:۷ تا۹)

بعض محققین کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں عاد کا جو ذکر ہوا ہے یہ ان کا مرکزی قلعہ موجودہ شہر شی سر (Shisr) کے نیچے مدفون ہے۔ جو ان کے ہاں اوبار کے نام سے معروف ہے اور جس کی کھدائی کی جا رہی ہے۔ کیا واقعی یہ شہر عاد ارم سے ہی تعلق رکھتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کی طرف قرآن مجید کی بعض آیات اشارہ کر رہی ہیں۔ یہ امر مزید تحقیق و جستجو کا متقاضی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب تاہم قارئین کی دلچسپی کے لئے اوبار شہر کی کھدائی اور اس سے حاصل ہونے والی بعض معلومات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں جس ستونوں والے شہر ارم کا ذکر ہوا ہے موجودہ شہر شی سر (Shisr) کے نیچے مدفون تھا۔ اس بات کا انکشاف امریکہ کے سپیس ایجنسی (NASA) کے شٹل چیلنجر (Challenger) کے ریڈار امیجنگ سسٹم نے جزیرہ عرب بالخصوص "الربع الخالی" کی لی جانے والی زیر زمین تصاویر سے ہوا ہے۔ اس تین ہزار سال پرانے شہر کو تلاش کرنے کے لئے امریکہ کے ایک ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جیورس ذارین (Juris Zarin) جو امریکہ کی میسوری اسٹیٹ یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور ایک دوسرے شخص نکولس کلیپ (Nicholas Clapp) جو امریکہ کے

ہردلعزیز شہرلاس اینجلیز میں ڈاکومنٹری فلمیں بناتے ہیں اور کلیپ کے ایک دوست جارج ہیجز (George Hedges) نے جو پیشہ کے اعتبار سے وکیل ہیں نمایاں کام کیا ہے۔ موخر الذکر دو اصحاب نے مل کر اس پراجیکٹ کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا اور دسمبر ۱۹۹۱ء میں اس شہر کے مقام کا تعین ہونے کے بعد کھدائی کا کام شروع ہوا۔

نکولس کلیپ کو اس پراجیکٹ میں دلچسپی ایک کتاب Arabia Felix پڑھنے کے بعد ہوئی جو ایک برطانوی مصنف اور محقق برٹرم تھامس (Bertram Thomas) نے ۱۹۳۲ء میں لکھی تھی۔ برٹرم تھامس نے اپنی کتاب میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ عمان کے عرب بدوؤں نے اس سے شداد بن عاد کے جنت ارضی، شہر اوبار کا ذکر کیا تھا جو ریت کے نیچے کہیں مدفون تھا۔

جزیرہ عرب کے علاقہ الربع الخالی کے جنوبی حصہ میں ایک دفعہ سفر کے دوران عرب بدوؤں نے تھامس کو ریت میں بنے ہوئے صدیوں پرانے راستے دکھائے تھے جو شہر اوبار کی طرف جاتے تھے۔ مسٹر کلیپ نے کیلی فورنیا کی مشہور لائبریری (Huntington Library) میں محفوظ پرانے مسودات اور نقشوں سے اس بات کا تعین کر لیا کہ واقعی یہ شہر اوبار عمان ملک میں ریت کے نیچے کہیں مدفون ہے۔ اس کتابی و دستاویزی ثبوت کے ملنے پر اس نے ناسا (NASA) کی جیٹ پروپلشن لیباریٹری

Propulsion Laboratory Pasadena, California

Jet

کے سائنس دانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ عمان کے مخصوص علاقہ کی خلائی جہاز چیلنجر کے (Radar Imaging) سے تصاویر لیں۔ چنانچہ ان تصاویر کے لینے کے بعد جب ان تصاویر کو غور سے دیکھا گیا تو ریت کے نیچے مدفون ایسے راستے ملے جو اوبار کی طرف جاتے تھے۔

مسٹر کلیپ نے جو نقشے اس مقصد کے لئے استعمال کئے ان میں مشہور یونانی جیوگرافر Ptolemy کے نقشے بھی شامل تھے۔ جو اس نے ۲۰۰ صدی بعد مسیح بنائے تھے۔ اس یونانی نقشہ نویس نے اپنے نقشوں میں ایک اہم تجارتی مرکز کا مقام بھی دیا تھا جس کا نام اس نے Omanum Emporium (عمان مارکیٹ) رکھا تھا۔ Ptolemy کے نقشے اور سیٹلائٹ کے ذریعہ لی جانے والی تصاویر پر دونوں کے مطابق اس شہر کا مقام (Shisr) کے نخلستان میں بنتا تھا۔

جب اوبار شہر کے مقام کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو چھ سو فٹ ریت کے نیچے مدفون ایک قلعہ دریافت ہوا جو قریب قریب دو ہزار سال پرانا تھا۔ یہ قلعہ (Octagonal) آٹھ سمت کا تھا۔ جس کی دیواریں ۶۰ فٹ لمبی، دو فٹ موٹی اور ۱۲ فٹ اونچی تھیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اوبار شہر کا ذکر مشہور کتاب الف لیلۃ و لیلۃ میں بھی ہوا ہے۔ نیز مشہور زمانہ لارنس آف عریبیا نے اس شہر کا "ریت کا ایٹلانٹس" (Atlantis of Sand) کے نام سے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ شہر لوبان کی خوشبو Frankincense کا اپنے وقت میں عظیم الشان شاپنگ سنٹر تھا۔ جنوبی عمان کے علاقہ الربع الخالی سے اس شہر کے جو آثار دریافت ہوئے ہیں اس کے مطابق گھروں کی دیواریں آٹھ سمت کے کٹے ہوئے لائم اسٹون سے بنی ہوئی تھیں۔

قلعہ کے آٹھ بلند مینار تھے جس میں سے سات میناروں کے آثار مل گئے ہیں۔ یہ مینار پکی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ گھروں میں کشادہ کمرے تھے جس میں لوبان (اگر بتی کی طرح) خوشبو جلانے کے لئے چولہے بنے ہوئے تھے۔

اوبار شہر کی تلاش کے لئے پراجیکٹ ۱۹۸۱ء میں مسٹر کلیپ نے شروع کیا۔ ۱۹۸۴ء میں چیلنجر سے لی جانے والی تصاویر سے اس کے صحیح مقام کا تعین ہوا۔ نومبر ۱۹۹۱ء میں شہر کی تلاش اور کھدائی کا کام شروع ہوا۔ اور جنوری ۱۹۹۲ء میں شہر تلاش ہوا۔ ناسا کے خلائی جہاز چیلنجر کے ریڈار امیجنگ سسٹم سے جو تصاویر لی گئیں ان کے مطالعہ کے لئے جس جیالوجسٹ نے سب سے زیادہ کام کیا اس میں ڈاکٹر رانلڈ بلام

Dr. Ronald Blom کا نام سر فہرست ہے۔ اس شہر کی تلاش کی کہانی' یہ دنیا سے نیست و نابود کیسے ہوا۔ اس دلچسپ داستان کا جواب مندرجہ ذیل انٹرویو سے ملتا ہے۔ جو کینیڈا کے قومی ریڈیو' کینیڈین براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے پروگرام ہوسٹ باب میکڈانلڈ نے ڈاکٹر بلام سے لیا۔ اور ۱۶' اپریل ۱۹۹۴ء کو ریڈیو پر نشر کیا گیا۔ باب میکڈانلڈ نے تعارفی کلمات میں کہا۔

"سامعین! آپ شاید اس بات کا یقین نہ کریں کہ خلاء اور پرانے عرب قصہ و کہانی میں ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر امریکہ کے خلائی جہاز چیلنجر میں موجود خلانورد (Astronaut) جزیرہ عرب میں عمان کی صحرا کی طرف اپنا ۳۶۰ ملین ڈالر کی لاگت کا ریڈار امیجنگ سسٹم اوبار کے گم شدہ شہر کا نقشہ بنانے کے لئے استعمال کر چکے ہیں۔ اوبار عرب قصص و حکایات میں محفوظ ایک شہر کا نام ہے۔ ایسا شہر جو دولت سے مالا مال ہونے کے علاوہ بداعمالیوں اور فسق و فجور میں بھی شہرت رکھتا تھا۔

تین ہزار سال قبل یہ شہر درخت سے نکلنے والے رس "لوبان" کا بہت بڑا ٹریڈنگ سنٹر تھا۔ لوبان بطور مرہم کے استعمال ہونے کے ساتھ مردوں کو جلانے کی رسم و رواج میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ بعض لوگ اسے بطور خوشبو (اگر بتی) بھی جلاتے تھے۔ پرانے زمانے میں لوبان سونے کی طرح بہت قیمتی ہوتا اور اس کی تجارت بہت نفع مند ہوتی تھی۔ یہ بات کہ آیا "اوبار" ایک حقیقت تھا یا افسانہ تاریخ دان اس بات پر بہت کچھ قلم بند کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک پرانے مورخ Ftolemy نے ۲۰۰ سال بعد مسیح جو شہروں کے نقشے بنائے ان میں اس شہر کا بھی ذکر کیا ہے۔ نیز مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن مجید میں بھی اس شہر کا ذکر "ارم" کے نام سے ہوا ہے۔

ایک روایت کے مطابق "اوبار" تین ہزار سال تک تجارت کا مرکز رہا۔ مگر ۳۰۰ سال بعد مسیح کے لگ بھگ اس کا نام و نشان اچانک مٹ گیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کو تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کی ہیں بشمول لارنس آف عریبیا کے جس نے اس شہر کو "ریت کا ایٹلانٹس" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ مگر اس کی تلاش قسمت نے امریکہ کے ایک فلم بنانے والے ایک جیالوجسٹ اور ایک خلائی سائنس دان کے لئے لکھ چھوڑی تھی۔ جنہوں نے اس افسانوی شہر کی تلاش میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کا نام ڈاکٹر رانلڈ بلام ہے۔ جو کیلی فورنیا کی جیٹ پروپلشن لیباریٹری میں کام کرتے ہیں۔

میکڈانلڈ: ڈاکٹر بلام اوبار شہر کی اصل حقیقت کیا تھا؟

ڈاکٹر بلام: اوبار ایک ایسا شہر تھا جہاں لوبان کی تجارت ہوتی تھی۔ یہاں سے اونٹوں کے کارواں لمبے سفروں کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ گویا یہ امریکہ کے شہر سینٹ لوئیس کی طرح تھا۔ جہاں ہر جگہ سے لوگ آتے تھے تا وہ آگے مختلف

مقامات کو روانہ ہو سکیں۔ گویا اوبار ایک مرکزی مقام تھا جہاں سے لوگ دور دراز سفروں کے لئے تیاری کے بعد روانہ ہوتے تھے۔

میکڈانلڈ: کیا "اوبار" شہر صحرا کے لمبے سفر پر روانہ ہونے کے لئے آخری مقام تھا؟

ڈاکٹر بلام: بالکل ٹھیک

میکڈانلڈ: کیا اوبار ایک بہت بڑا شہر تھا؟

ڈاکٹر بلام: بذات خود ایک بہت بڑا شہر نہ تھا۔ شہر کے مرکزی مقام میں ایک کنواں تھا جس کے ارد گرد قلعہ تعمیر تھا۔ جس کسی کا پانی پر کنٹرول تھا وہ ہر چیز پر کنٹرول رکھتا تھا۔ کنویں کے ارد گرد تاجروں اور مسافروں کی ایک کمیونٹی آباد تھی جو یہاں لین دین کے لئے آتے یا کارواں میں شامل ہونے کے لئے آتے تھے تو بذات خود شہر چھوٹا تھا مگر اس میں ایک بہت بڑی عارضی آبادی مقیم رہتی تھی۔

میکڈانلڈ: یہ شہر نخلستان گم کیسے ہوا؟

ڈاکٹر بلام: اس کے گم ہونے کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ اوبار کا آخری بادشاہ شداد بن عاد بہت ریاکار انسان تھا اس کے رہنے سہنے کا طریق عیاش دولت مندوں جیسا تھا۔ اور قرآن حکیم کی آیات کے مطابق اوبار قہر الٰہی کے تحت اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا سے نیست و نابود ہوا۔ اس کے دنیا سے مٹ جانے کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ ۳۰۰ بعد مسیح کے لگ بھگ لوبان کی تجارت ایک دم ختم ہو گئی اور اس کی قیمت گر گئی تو شاید اس لحاظ سے یہ اوبار کی اقتصادی موت تھی۔ جب کہ انسان اوبار کے اصل مقام پر جا کر جو بات مشاہدہ کرتا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اوبار کا مرکزی قلعہ ایک Sink-Hole میں گر کر تباہ ہوا تھا۔ جو کہ فی الحقیقت ان کی پانی کی سپلائی کا اصل ذریعہ تھا۔ تو یوں کہہ لیں کہ قلعہ کا انجام تباہ کن ہوا۔ مگر اس تباہ کن واقعہ کی اصل تاریخ ابھی تک معین نہیں ہو سکی۔

میکڈانلڈ: مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایک ناسا کا سائنس دان اور جیالوجسٹ اوبار کے گم شدہ شہر کی تلاش میں کیسے شامل ہوا؟

ڈاکٹر بلام: بہت عجیب اور حیران کن طریق سے۔ ۱۹۸۱ء میں خلائی جہاز میں جو پہلا ریڈار امیجنگ کا تجربہ ہوا تھا میں اس تجربہ میں شومیٔ قسمت سے شامل تھا۔ اس تجربہ میں ہم نے دیکھا کہ ریڈار کے ذریعہ صحارا کے ریگستان کی جو تصاویر لی گئیں اس میں ہم ریت کے نیچے جو کچھ دفن تھا اس کی منظر کشی کر سکتے تھے۔ درحقیقت ریت کے نیچے ہم آسانی سے دو میٹر تک مدفون اشیاء اور زمین کے مناظر کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ جب اس تجربہ کے ریزلٹ منظر عام پر آئے تو ہمیں سینکڑوں افراد کے فون آئے۔ ان میں سے بعض ایک افراد اپنے خاندان کا چھپایا ہوا خزانہ تلاش کرنا چاہتے تھے۔ بعض ایک افراد نے ہم سے یہ استفسار کیا کہ اگر ہم ان کو فلاں علاقے کے نیچے مدفون اشیاء کی تاریخ بتلا دیں تو باقی کا وہ خود تلاش کر لیں گے۔ تو گویا عجیب عجیب قسم کے لوگ ہمیں فون کیا کرتے تھے۔

ان لوگوں میں سے تاہم ایک شخص جس نے ہمیں فون کیا ان کا نام نکولس کلیپ تھا جو لاس انجلیز میں فلمیں بناتے ہیں اور جو عمان ملک کا سفر کر چکے تھے۔ ان کو اوبار شہر کے گم ہونے اس کے محل وقوع کا کچھ اندازہ ضرور تھا۔ ان کو یہ بھی علم تھا کہ اوبار قہر الٰہی کے مطابق نیست و نابود ہوا تھا۔ تو ان کی تحریک پر ہمیں یہ خیال آیا کہ ہمارے پاس ٹیکنالوجی موجود ہے کیوں نہ اس ٹیکنالوجی کو اس گم شدہ صدیوں پرانے شہر کی

تلاش میں استعمال کیا جائے تو یہ ہمارے اس مہم میں شامل ہونے کی بنیادی وجہ تھی۔

میکڈ انلڈ: جب خلائی جہاز کے ریڈار سے ریت کے نیچے شہر کی تصاویر لیں تو آپ نے کیا دیکھا تھا؟

ڈاکٹر بلام: ہم نے ریت کے نیچے شاہراہوں (ہائی ویز) کے آثار دیکھے۔ جس سے ہمیں یہ احساس ہوا کہ اس علاقہ میں تجارت کا ایک منظم سسٹم قائم تھا۔ شاہراہوں کا نشان ملنے سے ہماری ہمت بڑھ گئی۔

میکڈ انلڈ: جب آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے شاہراہوں کے نشان (Tracks) دیکھے تو یہ ٹریکس کس قسم کے تھے؟

ڈاکٹر بلام: ریڈار سے لی ہوئی تصاویر کے تعبیر کرنے کے لحاظ سے ہم نے جو امیجز (Images) دیکھے وہ سیدھے خطوط کی صورت میں تھے جو ہمیں قدرتی نہ لگے۔ بلکہ وہ ایسے راستے اور سڑکیں دکھائی دئے جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے تھے۔ یہ گویا امریکہ میں کسی شہر میں "فری وے" سسٹم کا نقشہ دیکھنے کے برابر تھا۔ جب ہم نے یہ تمام امیجز اکٹھے ملا کر دیکھے تو ہمیں یہ پتہ چلا کہ یہ درحقیقت ایک مرکزی مقام پر لانے والے راستے تھے۔ Points Concentration جو نخلستان کے اندر موجود تھے ان مرکزی مقامات میں سے ایک مقام اوبار شہر کے بالکل اندر جا پہنچا۔ موجودہ حالات میں یہ ایک ماڈرن گاؤں ہے اور اس گاؤں میں رہنے والے افراد کو اوبار کے نیست و نابود ہونے کے قصہ کا بخوبی علم ہے۔ لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ عین اس مقام پر آباد ہیں ان کا خیال تھا کہ اوبار صحرا کے اندر دور کہیں آباد تھا۔

میکڈ انلڈ: ریڈار امیجنگ سے جو شاہراہوں کے نشانات آپ نے دیکھے کیا آج بھی وہ زیر استعمال ہیں؟

ڈاکٹر بلام: ان صحرائی سڑکوں یا شاہراہوں میں سے بہت سی اب بھی زیر استعمال ہیں۔ آج سے دو تین ہزار سال قبل جو صحرائی راستے لوگ استعمال کرتے تھے وہ آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک معمہ ہے۔

میکڈ انلڈ: لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ صحرائی راستے درحقیقت ہزاروں سال پرانے تھے نہ کہ جدید؟

ڈاکٹر بلام: ان صحرائی راستوں کے پرانے ہونے کی ایک دلیل یہ تھی کہ ہمیں ان شاہراہوں کے ساتھ پڑے ہوئے جو پرانے برتن، اوزار اور کھلونے ملے وہ ہزاروں سال پرانے تھے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ اگر آپ کو کسی شاہراہ پر پیپسی کا کین ملے تو آپ مزید تلاش کریں گے تو آپ کو چھوٹے راستوں کے درمیان مزید چیزیں ملیں گی۔ پھر ان راستوں پر پتھر کے زمانے کے اوزار بھی ملے۔ یوں اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ راستے بڑے عرصہ سے موجود تھے اور یوں اس بات سے اس علاقہ کی عمر کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

میکڈ انلڈ: جب آپ نے اوبار شہر کے مقام کا صحیح تعین کر لیا تو جب آپ وہاں گئے تو اس جگہ کو کیسا پایا؟

ڈاکٹر بلام: قلعہ کی دیواریں دوہرے بلاک سے بنی ہوئی تھیں اس کا بہت سا حصہ تو نیست و نابود ہو چکا تھا۔ وہاں بہت سارے مینار بھی ہمیں ملے جو کم از کم تیس سے چالیس فٹ اونچے تھے۔ تو جو کچھ وہاں اب موجود ہے وہ بہت خستہ حالت میں ہے۔ مگر جو کچھ ہے وہ تحقیق کا شوق رکھنے والے شخص کے لئے کافی ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ اب وہاں کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ عمان کی حکومت نے ایک کمپنی کے ساتھ تین سال کا معاہدہ کیا ہے۔ کھدائی کے ساتھ ساتھ بہت ساری نئی

چیزیں دریافت ہو رہی ہیں۔ وہاں کے کنویں کا اصل مقام مل گیا ہے گویا اس طرح وہاں بہت کچھ قابل دید ہے۔

میکڈانلڈ: آثار قدیمہ میں سے کیا وہاں کوئی ایسی چیز ملی ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ "اوبار" پر تباہی کیسے نازل ہوئی؟ یہ زمین دوز کیسے ہو گیا؟

ڈاکٹر بلام: شہر کے لئے پانی کی سپلائی ایک سنک ہول سے آتی تھی۔ شہر کے ارد گرد کی زمین میں لائم اسٹون بہت تھا۔ یہ "سنک ہول" گویا لائم اسٹون میں ایک بہت بڑا گڑھا تھا۔ یا یوں کہہ لیں قلعہ کے وسیع و عریض کمپلیکس کے نیچے غار تھی جہاں سے پانی نکالا جاتا تھا۔ یہ غار اس سنک ہول میں زمین دوز ہو گئی جو پورے قلعہ کو نگل گئی۔ ایسے واقعات فلوریڈا امریکہ میں اکثر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں جہاں سننے میں آتا ہے کہ فلاں کا گھر "سنک ہول" میں دھنس کر تباہ ہو گیا۔

یہ واقعہ کب ہوا۔ اس کی تاریخ بہت اہم ہے۔ مگر اس کا صحیح تعین ابھی تک نہیں ہو سکا۔ اوبار شہر کے دنیا سے نیست و نابود ہونے یا قہر الٰہی کا مورد ہونے کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت اگر وہاں لوگ موجود تھے تو امید ہے کھدائی کرنے پر اور بھی اسباب و اشیاء ملیں گی۔ اگر یہ شہر زمین میں رفتہ رفتہ دھنسنا شروع ہوا یا اس وقت زمین میں دھنس گیا جب لوگ وہاں سے بھاگ چکے تھے۔ تو شاید وہاں "سنک ہول" کے علاقہ میں کچھ بھی نہ ہو۔ بہر حال یہ ایک ایسی دل سوز کہانی ہے جو ابھی لوگوں نے نہیں سنی۔

مصادر

1. Lost City of Ubar - 16th April 1994. Canadian
Broadcasting Corporation, Toronto
- Oakgrove 2. Dr. Ronald Blom, Jet Propulsion
Bob Macdonald. Laboratory, NASA. 4800
Dr. Host:
U. S. A 3. Ubar, Fabled Lost City, Found by
I. A. Team Pasadena 91109 - 8099
Pickthall, p.439. The los Angeles Times - Feb,
section Al. A12. 4. The Glorious Koran - M.
5th 1992,
Mirza Bashiruddin Mahmood Ahmad.
5. Tafseere Saghir - Hazrat
6. The Whig - Standard, Kingston, Feb. 5, 1992.

دعائے مغفرت

مکرم محمد صدیق صاحب ڈرائیور مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے والد مکرم عبدالحق صاحب ٹھیکیدار آف کلاسوالہ ضلع سیالکوٹ بعمر ۹۵ سال مورخہ ۸؍۶؍۹۵ کو مختصر علالت کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کا جنازہ ۹؍۶؍۹۵ کو بعد نماز جمعہ محترم مولانا سلطان محمود صاحب انور ناظر اصلاح و ارشاد نے پڑھایا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ موصی تھے۔ بہشتی مقبرہ میں تدفین کے بعد محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے دعا کروائی۔ احباب سے ان کی بلندی درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

ساحلوں کے اسرار

(مکرم محمد نعمان صاحب۔ حیدر آباد)

پاکستان ان خوش نصیب ممالک کی فہرست میں شامل ہے جن کے پاس ایک وسیع ساحلی پٹی موجود ہے لیکن زیادہ تر لوگ ساحل سمندر کے حوالے سے کراچی کے علاوہ بہت کم جانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کراچی سے مغرب کی طرف بلوچستان کے نیچے کا تمام حصہ ایران کی سرحد تک بحیرہ عرب کے ساتھ واقع ہے اور دوسری طرف کراچی سے تھوڑا جنوب مشرق کی طرف چلیں تو صوبہ سندھ کے دوسرے ساحلی علاقے ہیں جو ضلع ٹھٹھہ اور ضلع بدین سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تمام ساحلی علاقے اپنے اندر دلچسپی کے بہت سے سامان لئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا ذکر اس مضمون میں ملے گا۔

سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سندھ کے ساحلی علاقے نرم مٹی کے ہیں اور ان میں بہت زیادہ کانٹ چھانٹ پائی جاتی ہے جب کہ بلوچستان کے ساحلی علاقے پتھریلے' سخت اور دشوار گزار ہیں۔ بلوچستان اور خصوصاً سندھ کے ساحلی علاقوں میں جھیلوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ ان جھیلوں پر ملکی پرندوں کے علاوہ سردیوں میں سائبیریا سے بھی بہت خوبصورت پرندے آتے ہیں جو گرم موسم میں واپس اپنے ملکوں میں چلے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ ہر سال چلتا رہتا ہے۔ سندھ کی جھیلوں کے کنارے گھاس کے بڑے بڑے میدان اور کیکر کے جنگلات بھی موجود ہیں لہٰذا ہرن اور جنگلی گدھوں کی ایک بڑی تعداد یہاں ملتی ہے جو شکاریوں کی دلچسپی کا باعث ہے۔

دریائے سندھ سمندر میں گرنے سے قبل بہت سی شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ مقامی لوگوں نے مختلف شاخوں کے مختلف نام رکھے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں میں سے "کوبار" سب سے اہم ہے۔ سندھ کی مشہور سوغات "پلا" مچھلی اسی شاخ کے ذریعہ سمندر سے دریائے سندھ میں داخل ہوتی۔ پلا مچھلی سمندر میں انڈے دیتی ہے اور پھر بڑی ہونے کے بعد دریا میں اپنی زندگی گزراتی ہے۔ جب دریاؤں پر زیادہ بیراج اور ڈیم نہیں بنائے گئے تھے تب یہ مچھلی دریا کی مخالف سمت میں بڑی دور دور تک سفر کرتی تھی لیکن اب رکاوٹوں کی وجہ سے یہ مچھلی کوٹری بیراج تک محدود ہو گئی ہے۔

مشہور لوک داستان سسی پنوں کی وجہ سے شہرت کا حامل شہر بھنبھور بھی ٹھٹھہ سے کچھ فاصلہ پر ساحل کے ساتھ واقع ہے۔ یہاں کے کھنڈرات سے بہت سی قدیم تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیبل کا قلعہ جسے تسخیر کرکے محمد بن قاسم سندھ میں داخل ہوا یہیں بھنبھور میں

واقع تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ بھنبھور کے قریب ایک قدیم قلعے کے آثار بھی ملے ہیں لیکن پھر بھی کچھ ماہرین کے بقول دیبل بلوچستان میں سوغیانی کے ساحل پر واقع تھا۔

عرب شیوخ کے تعاون سے ساحل سمندر پر ایک مقام گھاس بندر کو بہت ترقی دی گئی ہے۔ پچاس ساٹھ برس قبل جب آمدورفت کا زیادہ تر دارومدار گھوڑوں اور گدھوں پر تھا تو اس وقت کراچی اور اس کے گردونواح کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یہاں پر دور دراز علاقوں سے گھاس لایا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا نام "گھاس بندر" مشہور ہو گیا۔

پاکستانی ساحلی پٹی کا زیادہ تر حصہ بلوچستان میں واقع ہے۔ یہاں گوادر، مکران اور پسنی کے علاقے قابل ذکر ہیں۔ آر سی. ڈی (R.C.D) ہائی وے پر جو پاکستان کو ایران سے ملاتی ہے کراچی سے کوئی بائیس کلومیٹر دور سمندر کے کنارے ایک پہاڑی ٹیلہ ہے جسے مقامی لوگ "کاپڑ کوہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ ٹیلہ بھی اپنی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ سکندر اعظم جب ۳۲۷ قبل مسیح میں افغانستان سے برصغیر میں داخل ہوا اور یہاں گندھارا تہذیب کے مشہور علاقوں پشاور، جہلم اور سوات وغیرہ فتح کرتا ہوا واپس مقدونیہ (یونان) جانے لگا تو اس نے واپسی کے لئے یہی راستہ اختیار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ واپسی پر ساحل کے قریب اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جن میں سے ایک کشتیوں کے ذریعے سمندر میں سفر کرتا رہا جب کہ دوسرا حصہ ساحل کے ساتھ ساتھ خشکی پر سفر کرتا رہا لیکن اس پہاڑی ٹیلے کے قریب دونوں حصے ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے جس کی وجہ سے انہیں مقامی جنگجوؤں سے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

اس مقام کے قریب ایک قبرستان بھی ہے جسے مقامی لوگ "رومیوں کا قبرستان" کہتے ہیں لیکن اس میں جو قبریں ہیں وہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ سو سال پرانی ہیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عرصہ میں بلکہ کبھی بھی رومی لوگ اس علاقے میں بڑی تعداد میں نہیں آئے ہیں۔ لہٰذا اندازہ یہی ہے کہ یہاں سکندر اعظم کے فوجی مدفون تھے جس کی وجہ سے اس کا نام رومیوں کا قبرستان پڑ گیا کیونکہ عموماً لوگ یونانیوں کو رومی بھی کہہ دیتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یونانی فوجیوں کی قبریں غائب ہو گئیں اور ان کے اوپر نئی قبریں بن گئیں جو آج بھی قائم ہیں لیکن وقت کے تھپیڑے نام تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ساحل کے ساتھ "گنز" نامی ایک گاؤں بھی ہے۔ جس کا نام کچھ عجیب و غریب ہے اور جس کے باشندے مقامی باشندوں سے مختلف ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ اسکندر اعظم کے پیچھے رہ جانے والے یونانی فوجی ہیں جنہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے اپنی فوجی تنصیبات کیموفلاج کرنے کے لئے یہاں بڑی تعداد میں ولایتی کیکر بوئے تھے جو ابھی بھی اپنی جگہ قائم و دائم ہیں اور بہت وسیع علاقے میں پھیل چکے ہیں۔ آر سی ڈی ہائی وے پر ایران کی طرف چلیں تو سڑک کے دونوں جانب بڑی بڑی جھاڑیوں کا ایک گہرا جنگل نظر آئے گا جو اسمگلروں اور جرائم پیشہ افراد کی پناہ گاہ کے علاوہ مقامی لوگوں کے لئے ایک رحمت ہے۔ جو اس کی لکڑی سے کوئلہ بنا کر فروخت کرتے ہیں اور اپنا کاروبار زندگی چلاتے ہیں۔

اس مقام سے کچھ دور "بیلا" کا قصبہ ہے جہاں ایک عرب

جرنیل "ہارون" کا مقبرہ ہے۔ جو محمد بن قاسم کی آمد سے بہت قبل مکران کا گورنر کہا جاتا ہے۔ وہاں سے آگے چلیں تو سوغیانی کا ساحلی علاقہ آتا ہے۔ جہاں سمندر نے بڑی تیزی کے ساتھ خشکی پر اپنے قدم جمائے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ کچھ ماہرین کے بقول یہی وہ جگہ ہے جہاں راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا تھا اور اب وہ خاص جگہ سمندر کی موجیں ہضم کرچکی ہیں۔

سوغیانی سے کچھ فاصلہ پر "سرانده" نامی ایک خوبصورت جھیل ہے۔ جس کے بننے میں ایک بلوچ سردار کا بڑا دخل ہے۔ اس بلوچ سردار نے اردگرد کے ندی نالوں کا پانی سمندر میں گرنے سے بچانے کے لئے ایک رکاوٹ بنادی جس کی وجہ سے پانی جمع ہوتا رہا اور آہستہ آہستہ اس نے ایک خوبصورت وسیع جھیل کی شکل اختیار کرلی جو مچھلیوں اور خوبصورت پرندوں کی جنت ہے۔

بلوچستان کا ساحلی علاقہ سنگلاخ زمین کی وجہ سے بہت دشوار گزار ہے اور ابھی بھی بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

بیلا اور اوڑماڑہ کے ساحل کے درمیان "ہنگلاج کا مقبرہ" ہے جو ہندوؤں کی مقدس جگہ ہے۔ جہاں ہر سال سینکڑوں ہندو زیارت کے لئے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہنگلاج کے مقام پر اگر کوئی انسان زمین پر لیٹے تو اسے اردگرد کے ٹیلے اور پہاڑیاں لرزتی نظر آتی ہیں۔

بلوچستان کے ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ ذکری مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بھی بہت سے گاؤں ملیں گے۔ یہ گاؤں ذرا جدید ہیں اور ان کے لکڑی کے گھر بھی یورپ کے کسی گاؤں کا احساس دلاتے ہیں۔

پسنی اور گوادر ایسی جگہیں ہیں جہاں اچھی بندرگاہیں تعمیر کی جاسکتی ہیں۔ کچھ ساحلی علاقوں میں پاکستان نیوی کی چھوٹی موٹی تنصیبات ہیں۔ پسنی میں ایک ماڈرن فش ہاربر بنایا گیا ہے لیکن گوادر کی جو علاقائی اہمیت ہے اس کے مطابق اسے ترقی نہیں دی گئی۔ گوادر ساحل سمندر کی اس پٹی سے تعلق رکھتا ہے جو آگے ایران سے مل جاتی ہے۔ جس کے آگے خلیج فارس کا تیل سے بھرپور خطہ ہے جو بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔

بلوچستان کے ساحلوں کا حسن، دنیا کے خوبصورت ترین ساحلوں سے کسی طرح کم نہیں۔ پتھریلی زمین ہونے کی وجہ سے سمندر کے پانی میں ایک چمک ہے اور کنارے پر سنہری ریت ہے۔ سمندر کی لہریں جب اونچی نیچی چٹانوں سے چھلانگیں مارتی ہیں تو ایک مسحور کن احساس دلاتی ہیں۔ یہ علاقے اس خوبصورت اور قیمتی ہیرے کی مانند ہیں جس کی تراش خراش نہیں ہوئی۔ ضرورت صرف اس علاقے کو ترقی دینے کی ہے۔ ساحلی علاقوں کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ، پرندے، جانور اور جنگلات بہت عجیب و غریب خصوصیات کے حامل ہیں اور اگر توجہ سے ان پر تحقیق کی جائے تو بہت سی حیرت انگیز باتیں سامنے آئیں گی۔ اگر آپ کو بھی موقع ملے تو کسی اچھے راہنما کی مدد سے ان تمام علاقوں کی ضرور سیر کریں۔ اگر تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے جستجو سے بھرپور ذہن لے کر آئیں تو یقیناً ایک سحرانگیز تفریح آپ کی منتظر ہوگی۔

"تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے" (حضرت مسیح موعود۔۔۔۔)

نتیجہ مقابلہ مضمون نویسی "خدمت خلق"

خدام الاحمدیہ پاکستان کے شعبہ تعلیم کے تحت سہ ماہی دوم کے مقابلہ مضمون نویسی بعنوان "خدمت خلق" میں ۷۳ مضامین موصول ہوئے۔ نتیجہ درج ذیل ہے۔

اول: محمد افضل فاروق صاحب۔ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

دوم: طاہر محمود صاحب۔ بہاولنگر

سوم: محمود احمد ناصر صاحب۔ فیصل آباد

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل خدام نے امتیازی نمبر حاصل کئے۔ مجد الدین صاحب ٹیکسلا۔ مرزا بابر احمد عطا صاحب کراچی۔ طاہر احمد فضل صاحب فیصل آباد۔ مسعود ناصر صاحب لاہور۔ سعادت ظہیر صاحب لاہور۔ خاور بشیر صاحب دار الذکر فیصل آباد۔ محمد جمیل ضاحب ٹیکسلا۔

اللہ تعالیٰ ان سب خدام کے لئے یہ اعزاز مبارک فرمائے۔ آمین

(مہتمم تعلیم)

مایوسی کفر ہے

آج ہمارا معاشرہ جس دور سے گزر رہا ہے اس پر ہر طبقے کا فرد فکرمند ہے اور کوئی اخبار' کوئی رسالہ اٹھا کر دیکھ لیں اس میں معاشرتی برائیوں' بدعنوانیوں کا کھلے عام پرچار کیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص معاشرے کی برائیاں بیان کرکے اور ارباب حکومت کو ان پر متنبہ کرکے سمجھتا ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا کردیا اور اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ برائیوں کی مزید تشہیر ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ برائی مزید پھیلتی ہے۔

کیونکہ جب ایک انسان چھپ کر برائی کر رہا ہو تو وہ برائی کرتے وقت سوچتا ہے اور کم کم برائی کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن جب اس کے گناہوں کی تشہیر کردی جائے اور پھر وہ اپنے اس گناہ کی سزا سے باسانی بچ نکلے تو پھر اس کے اندر معاشرے میں بدنامی کا خوف ختم ہو جاتا ہے کیونکہ پھر وہ یہی سوچتا ہے کہ اب تو جو بدنام ہونا تھا ہو چکا۔ اب جو مرضی آئے کرو۔ اسی لئے اسلام نے اس نفسیاتی نقطہ کے پیش نظریہ تعلیم دی کہ برائی کی تشہیر نہ کی جاوے۔ یہاں تک کہ زنا کے معاملہ میں ایسے چار گواہ طلب کئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس برائی کو ہوتے دیکھا ہو اور گواہ پیش نہ کرسکنے کی صورت میں الزام لگانے والے کو سزا دینے کا حکم ہے۔ اس تعلیم کا مقصد برائی کو تحفظ دینا نہیں بلکہ برائی کی تشہیر روکنا ہے کیونکہ جب ایک معاشرے میں یہ بات بار بار دہرائی جانے لگے کہ ہم سب خراب ہوگئے ہیں تو پھر اچھے بھلے لوگ بھی خراب ہو جاتے ہیں۔

اس موقعہ پر ایک قصہ یاد آیا۔ وہ یہ کہ ایک دیہاتی اپنے گاؤں سے بکری فروخت کرنے چلا۔ راستہ میں چار ٹھگوں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے بکری لینے کی ترکیب سوچی۔ چنانچہ وہ مشورہ کے بعد تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑے ہوگئے۔ جب وہ ایک ٹھگ کے پاس سے گزرا تو اس نے اسے کہا کہ اے بھائی! یہ کتا کہاں لئے جا رہے ہو۔ اس پر اس دیہاتی نے کہا بھائی یہ کتا نہیں بکری ہے۔ اس ٹھگ نے کہا کہ ہے تو کتا ہو سکتا ہے تمہارے گاؤں میں کتے کو بکری کہتے ہوں۔ چنانچہ اسی طرح ہر ٹھگ نے اسے کہا اور جب وہ چوتھے ٹھگ کے پاس پہنچا تو اس دیہاتی نے کہا کہ شاید واقعی میں بھول کر بکری کی جگہ کتا لے آیا ہوں اور اس نے وہ بکری اس ٹھگ کے حوالے کردی۔ چنانچہ اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَاَهْلَكَهُمْ یعنی جس نے یہ کہا سب لوگ ہلاک ہوگئے گویا اس نے اپنے ہاتھ سے سب کو ہلاک کیا۔

اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب معاشرے کا ہر فرد

یہ لینے لگ جائے کہ ہم سب برے ہو گئے ہیں تو سارا معاشرہ ہی برا ہو جاتا ہے اور پھر ہر ایک یہی سوچتا ہے کہ جب سارے ہی برائی کرتے ہیں تو مجھے یہ کرنے میں کیا حرج ہے۔

جب معاشرے کے اندر ایسی سوچ پیدا ہو جائے تو معاشرہ بگاڑ کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب ایک معاشرہ کے اندر یہ سوچ جڑ پکڑ جائے کہ ہمارا معاشرہ گندا ہے تو لازماً انسان دوسرے معاشرے کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جسے وہ اچھا سمجھتا ہے۔ خواہ وہ معاشرہ اس کے معاشرے سے بھی گندا ہو۔ آج ہماری بھی کچھ کیفیت ایسی ہی ہے کہ ہم اپنے معاشرے کو گندا کہہ کہہ کر مغربی معاشرے کو اپنانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اس معاشرے کو ترقی کا عروج سمجھتے ہیں۔

بے شک اگر مغربی معاشرے کی سائنسی ترقیات اور علمی قابلیت کے حصول کی کوشش کی جائے تو یہ بات قابل اعتراض نہیں لیکن آج مغرب ہمارے سامنے جو بعض چیزیں پیش کرتا ہے وہ ہے مائیکل جیکسن اور بروک شیلڈ وغیرہ جن کو دیکھ کر لڑکیاں اور لڑکے ان کو اپنا آئیڈیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمارا میڈیا بھی ان ہی چیزوں کو کوریج دیتا ہے۔ آج مغرب ہمارے سامنے اپنے ہیروز کو کیوں نہیں پیش کرتا جو سائنس میں ترقی کر رہے ہیں۔ جو علمی میدان میں بڑھے ہوئے ہیں۔ آج ہمارا میڈیا فلمی آرٹسٹوں سے بھرا ہوا ہے اور ہمارے سائنسدان جن میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اور ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب جیسے عظیم سائنسدان شامل ہیں کبھی دکھائی نہیں دیتے۔ آج ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے اس بات کی کہ ہر وقت مایوسی کی باتیں نہ کریں اور اپنے ملک کی ہر چیز کو ہی غلط نہ کہیں۔ آج اپنے ملک کے اندر جو اعلیٰ کردار کے مالک اور اعلیٰ صلاحیتوں کی شخصیات ہیں انہیں پیش کیا جائے۔

میڈیا پر بار بار ایسے لوگوں کو پیش کیا جائے جو دنیا میں اعلیٰ عزت کا مقام حاصل کر چکے ہیں اور وہ اسی ملک پاکستان کے باشندے ہیں تاکہ ہم آج کے نوجوانوں میں یہ روح پھونک سکیں کہ پاکستان کے اندر صحیح رنگ میں تعلیم حاصل کر کے اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے ہم اعلیٰ مقامات کو حاصل کر سکتے ہیں اور یہ باور کرا سکیں کہ مسلمان قوم وہ قوم ہے کہ آج کا مغربی معاشرہ جس ترقی کے اعلیٰ مقام پر ہے وہ اسی قوم کے حاصل کردہ علوم کے ذریعہ اس مقام پر پہنچا ہے۔

آج میڈیا پر کثرت سے نامور مسلمان سائنسدانوں، ادیبوں اور دانشوروں کے حالات زندگی اور ان کے کارنامے بیان کئے جائیں اور ہمارے نوجوان اب بھی بہت سی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ ان میں سے کئی نوجوان بہترین کام کرتے ہیں۔ ان کو زیادہ سے زیادہ کوریج دی جائے تاکہ ہماری قوم کے بچوں میں یہ شعور پیدا ہو کہ یہ قوم بھی دنیا کے کسی میدان میں پیچھے رہنے والی نہیں۔ ہر چیز کا ایک تاریک پہلو ہوتا ہے اور ایک روشن۔ آج ہم اپنی قوم کے تاریک پہلو کو تو بار بار بیان کرتے ہیں لیکن روشن پہلو چھپایا ہوا ہے جو کہ ہمارے معاشرے کو ایک ایسی روشنی عطا کر سکتا ہے کہ سارا معاشرہ اسی اچھائی کے نور سے روشن ہو جائے۔ ہمیں بار بار اپنے قوم کے ہیروز کو نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ ہمارا آج کا وہ نوجوان جو ساحل سمندر، تاریخی مقامات اور پبلک مقامات پر مغربی طرز کے گانے گا کر اور بے ہودہ ناچ ناچ کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ترقی کی تمام سیڑھیاں عبور کر لی ہیں اور مغربیت کو مات کر دیا ہے اسے یہ احساس ہو کہ ترقی یہ نہیں بلکہ ترقی یہ ہے کہ علمی اور قلمی میدان میں آگے نکلا جائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

قسط نمبر۲

جماعتِ احمدیہ کے اخبارات و رسائل

(مرتبہ: مکرم سلطان احمد صاحب پیرکوٹی)

6 ۔ "تعلیم الاسلام" قادیان

یہ رسالہ جولائی ۱۹۰۶ء میں قادیان سے جاری ہوا۔ اس کا اہتمام ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ماتحت تھا اور نگرانی کے فرائض حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے سپرد تھے۔ اس رسالہ میں تفسیر القرآن بالاقساط اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تازہ وحی اور الہامات چھپتے رہے۔ اسکول سے متعلق خبریں اور اس کی رپورٹ بھی شائع ہوتی رہی۔

7 ۔ "تفسیر القرآن" قادیان

اس نام کا ایک رسالہ زیر اہتمام صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۷ء کے اوائل میں جاری کیا گیا اور خلافت اولی کے زمانے تک سال میں چار بار نکلتا رہا۔ اس میں قرآنی حقائق و معارف بیان کئے جاتے رہے۔ اپنے زمانے میں اس رسالہ نے قرآن کریم کی بیش قیمت خدماتِ سرانجام دیں۔

8 ۔ "الحق" دہلی

حضرت میر قاسم علی صاحب نے جنوری ۱۹۱۰ء میں دہلی سے جاری کیا جو خلافت ثانیہ کے زمانہ تک باقاعدہ نکلتا رہا۔ ۱۹۱۶ء میں اس کے ایڈیٹر ہجرت کر کے قادیان تشریف لے گئے تو یہ رسالہ بند ہو گیا۔ یہ اخبار ہندوستان کے نصف درجن سے زائد آریہ اخبارات کا نوٹس لیتا تھا اور ان کے اسلام کے خلاف زہریلے اثر کو دور کرتا تھا۔ مسلمانوں میں باہمی اتحاد اور اتفاق بڑھانا، اختلافات باہمی سے اجتناب کرانا، رعایا میں حکومت کے لئے وفاداری اور اطاعت کے لئے مخلصانہ جوش پیدا کرنا اس کے اہم مقاصد تھے۔

حضرت میر صاحب نے اپنی زندگی میں عیسائیوں کے ساتھ متعدد مباحثات کئے۔ ان مناظروں اور مباحثوں کی روئیدادیں "الحق" کے ذریعہ لوگوں تک پہنچتی رہیں۔ جب اخبار "پیغام صلح" لاہور سے نکلا تو یہ رسالہ سلسلہ کی تائید میں پیش پیش تھا اور اپنے خاص رنگ میں اس نے بہت مفید لٹریچر پیدا کیا۔

9 ۔ اخبار "نور" قادیان و لاہور

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے زمانہ میں ۱۹۱۰ء میں قادیان سے جاری ہوا۔ اس کے مدیر مالک سردار محمد یوسف صاحب (سابق سورن سنگھ) ودوان تھے۔ یہ اخبار تقسیم ملک تک قادیان سے نکلتا رہا۔ وقتی حالات کے ماتحت درمیان میں بعض اوقات کچھ عرصہ کے لئے اس کی اشاعت معرض التوا میں پڑ جاتی رہی لیکن بعد میں وہ دوبارہ جاری ہو جاتا رہا۔ پاکستان کے قیام کے بعد کچھ

عرصہ کے لئے لاہور سے بھی شائع ہوا مگر سردار صاحب موصوف کی وفات (6 مئی 1952ء) پر بند ہوگیا۔ ہندوستان میں سکھوں اور آریوں میں کی اشاعت کا فرض ادا کرنے میں اس اخبار نے اہم حصہ لیا ہے۔ اس کے بڑے مقاصد یہ تھے۔

۱ کی خوبیوں اور برکات کا ذکر کرنا اور دیگر مذاہب پر اس کی حقیقت ظاہر کرنا۔

۲ آریوں اور دیگر مذاہب کے حملہ سے اسلام کو بچانا۔

۳ کے منور چہرہ سے الزامات کی غبار کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے دور کرنا۔

۴ سکھوں کو کی دعوت دینا اور حضرت بابا نانک کی تعلیم ان تک پہنچانا۔

سردار صاحب کو سکھوں میں کی تعلیم اشاعت کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اس غرض سے قرآن کریم کا ترجمہ گورمکھی زبان میں کیا اور اس کی اشاعت وسیع پیمانہ پر سکھوں میں ہوئی۔

10 ۔ ماہنامہ "احمدی" دہلی

یہ رسالہ بھی حضرت میر قاسم علی صاحب مدیر "الحق" دہلی نے جنوری ۱۹۱۱ء میں دہلی سے جاری کیا۔ جو حضرت میر صاحب کی قادیان میں ہجرت کے بعد بند ہوگیا۔ اس رسالہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہل حدیث" امرتسر کے اعتراضات کے جوابات اور ان کی کتاب "ہفوات مرزا" کا جواب بالاقساط چھپتا رہا۔ اپنے وقت میں اس رسالہ نے بہت مفید کام کیا ہے۔

11 ۔ "الاسلام" لاہور

۱۹۱۱ء میں چوہدری عبداللطیف خان صاحب احمدی نے جاری کیا۔ اس کا موضوع عام اور وسیع تھا۔ لیکن اشاعت اور کل اہل ہند کی دینی و دنیوی بھلائی، انہیں حکومت وقت کی اطاعت کی تلقین کرنا اس کے اہم اغراض میں سے تھا۔

12 ۔ "احمدی خاتون" قادیان

مدیر الحکم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی نے ۱۹۱۲ء میں قادیان سے جاری کیا جو چند سال تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا لیکن بعد میں بند ہوگیا۔ یہ رسالہ محض عورتوں کے لئے تھا اور انہی کے نقطہ خیال سے اس میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ عورتوں میں اخبار بینی کے علاوہ اخبار نویسی کا مذاق پیدا کرنا اصلاح نسواں اور ان کی صحیح راہنمائی کرنا اور تربیت کرنا اس رسالہ کے اہم مقاصد تھے۔

13 ۔ روزنامہ "الفضل" لاہور و ربوہ

مرکز احمدیت کا روزانہ اخبار ہے جو اس وقت ربوہ سے نکلتا ہے۔ ۱۸ جون ۱۹۱۳ء کو حضرت مصلح موعود (اللہ ان سے راضی ہو) کی ادارت میں جاری ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ ان سے راضی ہو) نے اس کا نام الفضل تجویز فرمایا۔ اس کا ابتدائی سرمایہ حضور نے ذاتی طور پر فراہم کیا۔ بعد میں حضرت اماں جان (حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ) نے اپنی کچھ زمین بیچ کر ایک ہزار روپیہ الفضل کی اعانت میں دیا۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ نے بھی کچھ زمین جو تیرہ سو روپیہ میں فروخت ہوئی اور کچھ نقد رقم الفضل کی اعانت میں دی۔

یہ اخبار شروع میں ہفتہ وار تھا۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کے موقع پر

جلسہ سالانہ کے دنوں میں اس کا روزانہ لوکل ایڈیشن شائع ہوا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۱۵ء سے اسے ہفتہ میں دوبار کر دیا گیا۔ ۸ دسمبر ۱۹۱۵ء سے ۲۸ دسمبر ۱۹۱۵ء تک عارضی طور پر اسے ہفتہ میں تین بار کر دیا گیا۔ ۳۱ جولائی ۱۹۲۴ء سے اسے مستقل طور پر ہفتہ میں تین بار شائع کرنا شروع کیا گیا۔ ۱۹۲۷ء میں کچھ عرصہ کے لئے اسے روزانہ کیا گیا۔ ۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء سے یہ ہفتہ میں تین بار چھپتا رہا۔ ۸ مارچ ۱۹۳۵ء سے اسے روزانہ کر دیا گیا اور اس وقت سے اب تک یہ روزانہ ہی ہے۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات کی وجہ سے ایک سال کے لئے جبری التواء کی نظر ہوا۔

۱۱ مارچ ۱۹۱۴ء تک اسے حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کے ایڈیٹر ہونے کا فخر حاصل رہا۔ اس کے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء سے ۲۷ اگست ۱۹۱۴ء تک کے پرچوں پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کا نام بطور ایڈیٹر چھپتا رہا۔ بعد میں ایڈیٹر کا نام لکھنا ترک کر دیا گیا اور عملی طور پر ادارت کی ذمہ داری مکرم قاضی ظہور الدین صاحب اکمل پر رہی۔ جون ۱۹۱۵ء میں ایڈیٹر کے فرائض ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی نے سنبھالے اور ان کے فارغ ہونے پر حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ بعد میں دوبارہ یہ ذمہ داری مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل پر ڈالی گئی۔ جولائی ۱۹۱۶ء کے اوائل سے خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم اس کے مستقل ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں ان کے ریٹائرڈ ہونے پر مکرم شیخ روشن دین تنویر صاحب بی۔اے، ایل ایل بی کے سپرد ادارت کا کام کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء تک آپ یہ فرائض ادا کرتے رہے۔ یکم مئی ۱۹۷۱ء سے آپ کے ریٹائرڈ ہونے پر جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی مدیر مقرر ہوئے۔

۱۹۸۴ء کو الفضل کا پریس سیل کر دیا گیا اور اخبار کی اشاعت رک گئی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۸۸ء سے اس کی اشاعت دوبارہ شروع ہوئی۔ اس دور میں اس کے مدیر محترم مولانا نسیم سیفی صاحب مقرر ہوئے۔

اس اخبار میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے خطبات اور تقاریر شائع کی جاتی ہیں۔ حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کا درس القرآن بھی ایک عرصہ تک شائع کیا جاتا رہا۔ اس اخبار میں بیرونی مشنوں کی رپورٹس شائع کی جاتی ہیں۔ جماعت کو مرکز کے حالات اور مرکزی محکموں کی ہدایات سے واقف کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دینی، علمی، اخلاقی و تربیتی مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ عام سائنسی اور معلوماتی مضامین بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ اسلام اور احمدیت پر کئے جانے والے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔ چیدہ چیدہ ملکی اور غیر ملکی خبریں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ اس اخبار نے اپنی زندگی میں نہ صرف بیرونی مخالفوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کیا ہے بلکہ بین الاقوامی اتحاد کی کوشش بھی کی ہے۔ ہر مصیبت اور ضرورت کے وقت مسلمانوں کی حمایت اور اہم وقتی معاملات میں ان کی راہنمائی اس کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) نے یہ اخبار جاری فرمانے کے بعد صدر انجمن احمدیہ کو بطور تحفہ عطا فرما دیا تھا۔ یہ واحد اردو روزانہ اخبار ہے جس کی خریداری دنیا کے تمام اہم ممالک تک پھیلی ہوئی ہے۔

تقسیم ملک کے معاً بعد یہ اخبار لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا اور دسمبر ۱۹۵۴ء سے سوائے جبری التواء (۱۲ دسمبر ۸۴ء

پ

سے ۲۷ نومبر ۱۹۸۸ء تک) کے یہ ربوہ سے شائع ہو رہا ہے اور اس وقت جماعت کے اپنے پریس میں چھپ رہا ہے۔

14 ۔ ہفتہ وار "فاروق" قادیان

حضرت میر قاسم علی صاحب سابق ایڈیٹر "الحق" و "احمدی" دہلی کی صدارت میں خلافت ثانیہ کے عہد میں ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا۔ یہ سب سے پہلا ہفتہ وار اخبار تھا جو خلافت ثانیہ کے عہد میں جاری ہوا اور حضرت میر صاحب کی وفات (۲۰ اپریل ۱۹۴۲ء) تک جاری رہا۔ بعد میں اس نے اپنی خدمات تحریک جدید کے لئے وقف کردی تھیں۔ اس سے قبل سلسلہ احمدیہ اور خلافت کے دشمنوں کے اعتراضات کے منہ توڑ جواب دینے کا فرض ادا کرتا رہا۔

15 ۔ ماہنامہ "صادق" قادیان

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر "بدر" و مربی سلسلہ انگلستان و امریکہ نے اخبار "بدر" کے بند ہو جانے پر یہ جولائی ۱۹۱۶ء میں ماہوار مجلّہ کی صورت میں قادیان سے جاری کیا مگر پہلی جنگ عظیم کے اعلان میں ہی نامساعد حالات کے پیش نظر بند کردیا گیا۔

16 ۔ ماہنامہ "اتالیق" قادیان

یہ رسالہ اطفال الاحمدیہ کے لئے مخصوص تھا جو اوائل ۱۹۱۹ء میں جناب ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی سابق ایڈیٹر الفضل نے قادیان سے جاری کیا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور انہیں سلسلہ کی آئندہ ضرورتوں کے لئے تیار کرنا اس کی اہم اغراض میں سے تھا۔ اس میں طلباء کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ سوالات کا دلچسپ سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ ایک وقت تک اس رسالہ نے بہت اچھا کام کیا۔ بعد میں ناگزیر وجوہات کی بناء پر بند کردیا گیا۔

17 ۔ ماہنامہ "رفیق حیات" قادیان

۱۹۱۸ء میں جاری کیا گیا اور جناب حکیم عطاء محمد صاحب مرحوم مالک دواخانہ رفیق حیات قادیان کے زیر اہتمام کئی سال تک جاری رہا۔ اس میں طبی معلومات میں اضافہ کرنے والے مضامین، طبی اشیاء کے فوائد اور ان کی ماہیت، طبی استفسارات کے جوابات اور اشیائے خوردنی کے متعلق ہدایات کے علاوہ دیگر علمی ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ تک حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضل کا درس الحدیث بھی شائع ہوتا رہا۔

18 ۔ دی "مسلم سن رائز" امریکہ

اس رسالہ کی بنیاد ۱۹۲۱ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب سابق ایڈیٹر "بدر" "صادق" قادیان نے رکھی۔ آپ کے بعد حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے سابق ناظر تعلیم و صدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اس کی ادارت سنبھالی۔ آپ کے بعد جناب صوفی مطیع الرحمان صاحب بنگالی ایم۔اے اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد محترم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔اے اس کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کے بعد یہ رسالہ مربیان انچارج کی نگرانی میں شائع ہوتا رہا اور اب تک جاری ہے۔ مقام اشاعت پہلے شکاگو تھا اب واشنگٹن ہے۔ اسلام کی تعلیم کو عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کے سامنے صحیح رنگ میں پیش کرنا، ان کے اعتراضات کے جوابات دینا، شبہات کا ازالہ کرنا، اسلام کی فوقیت کو دوسرے مذاہب پہ ثابت کرنا، غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور نو مسلموں کو اسلام کی تعلیم دینا اور

ان کی تربیت کرنا اس رسالہ کے مقاصد ہیں۔ اس کی اشاعت امریکہ کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی کی جا رہی ہے۔ موجودہ ایڈیٹر مکرم مبشر احمد صاحب ایم۔اے ہیں۔

19 ۔ماہنامہ "البشریٰ" (انگریزی)

قادیان

مکرم چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے سابق ہیڈ ماسٹر ٹی آئی ہائی سکول قادیان نے قادیان میں انگریزی پریس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک دستی پریس قائم کیا اور "البشریٰ" نامی اخبار نکالا۔ اس کا پہلا پرچہ ۲۰ مئی ۱۹۲۲ء کو شائع ہوا اور کچھ مدت چل کر پریس کے ساتھ ہی بند ہو گیا۔

اس اخبار کے متعلق حضرت خلیفہ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) نے فرمایا تھا کہ باوجود انگریزی ریویو اور مسلم سن رائز کے ایک اخبار کی ضرورت تھی جو مضامین پر زیادہ زور دینے کی بجائے دور کی جماعتوں میں ایک زندگی کی روح قائم رکھے اور ایسا اخبار مرکز سے ہی جاری ہو سکتا تھا۔ پس یہ اخبار اپنی ضرورت سے پہلے نہیں نکلا۔

20 ۔ماہنامہ "ستیہ دوتن" پنگاڑی

مالابار (انڈیا)

"ستیہ دوتن" کے معنے راست گفتار کے ہیں۔ اسے ابتداء میں مسٹر حسین احمدی مالاباری نے ملیالم زبان میں کنانور مالابار سے جنوری ۱۹۲۵ء میں جاری کیا۔ اس وقت پنگاڑی مالا بار سے نکل رہا ہے۔ اس کے ایڈیٹر سلسلہ کے مربی مولوی محمد عبداللہ صاحب فاضل مالاباری بھی رہے۔ اس میں جماعتوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق مضامین کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کی تائید میں نہایت مفید اور قیمتی مضامین چھپ رہے ہیں اور یہ رسالہ ملیالم جاننے والوں میں نہایت اہم اشاعت اور دعوت الی اللہ کا کام کر رہا ہے۔

21 ۔پندرہ روزہ "احمدی" ڈھاکہ

۲۴-۱۹۲۳ء میں کلکتہ سے بنگالی زبان میں جاری کیا گیا۔ اس کی اشاعت ایک ہزار سے اوپر ہے۔ شروع میں مسٹر غلام صمدانی صاحب پلیڈر اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں یہ ۴۔ بخشی بازار روڈ ڈھاکہ سے نکلنا شروع ہوا۔ تقسیم ملک کے بعد اس کے مدیر مسٹر مصطفیٰ علی صاحب بی۔اے مقرر ہوئے۔ آپ کے بعد مکرم مولوی ممتاز احمد صاحب بنگالی مربی سلسلہ بھی اس کے مدیر رہے۔

اخبار کا اپنا پریس ہے۔ اس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقاریر اور خطبات کا خلاصہ، علمی دینی اخلاقی اور تربیتی مضامین نکلتے ہیں اور مرکزی اعلانات اور تحریکات سے بنگال کی جماعتوں کو واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ اس طرح یہ اخبار بنگال میں دعوت و ارشاد کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

22 ۔ہفتہ وار "آزاد نوجوان" مدراس

(اسلامک سنٹر نمبر ۱۳۔ لائیڈس روڈ۔ مدراس نمبر ۱۴)

یہ اخبار ایک مخلص احمدی نوجوان محمد کریم اللہ صاحب کی زیر ادارت بھارت میں اسلام اور احمدیت کی نہایت اہم خدمات سرانجام دے رہا ہے اور ۱۹۲۵ء سے برابر نکل رہا ہے۔ جنوبی ہند میں ایک اردو اور پھر مذہبی اخبار کا اتنے عرصہ سے کامیاب طور پر نکلتے رہنا اس کے مالک اور منتظمین کی قابلیت اور ان کے زبردست اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔

اس میں ملکی حالات کے علاوہ ہر قسم کے مذہبی علمی اور

اخلاقی مضامین احمدیت کے نقطہ نظر سے درج کئے جاتے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد اسلام کے منور چہرہ کو پیش کرنا اور بھارتی مسلمانوں کو ان کی غفلت سے بیدار کر کے انہیں کی صحیح تعلیم کی طرف متوجہ کرنا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا اس اخبار کا طرہ امتیاز ہے۔

23 ۔ دی یونیورسل پیس (عالمی امن) رنگون۔ برما

جماعت کے ایک مخلص نوجوان مسٹر عبدالکریم صاحب غنی نے ۱۹۲۵ء میں رنگون سے شائع کیا۔ آپ ایک عرصہ تک اسے نہایت محنت اور جانفشانی سے ایڈٹ کرتے رہے اور اپنی آمدنی کا کثیر حصہ اس کی اشاعت میں صرف کرتے رہے۔ اس کا مقصد اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کو احمدیت کی روشنی سے منور کرنا تھا۔ یہ رسالہ سہ ماہی تھا۔

24 ۔ ماہنامہ "احمدیہ گزٹ" قادیان

صدر انجمن احمدیہ اور اس کی نظارتوں کی سہولت کے پیش نظر مئی ۱۹۲۶ء میں جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔ مگر چند سالوں کے بعد اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی اور اسے بند کر دیا گیا۔ اس کے فرائض الفضل کی طرف منتقل ہو گئے۔

انجمن ہائے احمدیہ اور افراد سلسلہ کو ایک باقاعدہ صورت میں سلسلہ کے مرکزی صیغہ جات کے اعلانات سے باخبر رکھنا، محکمہ جات کی رپورٹس پیش کرنا، سرکلر چٹھیاں شائع کرانا، کارکنوں کی تعیناتیوں، تبدیلیوں اور ان کی رخصتوں کے متعلق اطلاع دینا، امام وقت کے ارشادات و ہدایات و احکام کو جماعت تک پہنچانا اور دیگر امور جن کا جماعتوں کو علم دیا جانا، مرکزی صیغہ جات کے نزدیک ضروری تھا شائع کرنا اس رسالہ کے فرائض میں شامل تھا۔

25 ۔ "دی سن رائز" (انگریزی) قادیان

دور دراز کے علاقوں کے احمدیوں کی ضرورت کے پیش نظر دسمبر ۱۹۲۶ء سے قادیان سے جاری ہوا۔ پہلے پہل اس کی ادارت کے فرائض حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے سابق مربی امریکہ و ناظر تعلیم و صدر صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہوئے۔ آپ کے بعد اس کی صدارت کے فرائض علی الترتیب ماسٹر محمد حسن صاحب تاج مرحوم اور جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سابق مربی جرمنی و ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) کے سپرد ہوئے۔ بعد میں مسٹر مجید ملک اس کے مدیر مقرر ہوئے اور ان کے بعد اس اخبار کی اشاعت مکرم قاضی عبدالمجید صاحب بی۔ اے ایل ایل بی امرتسری کی ادارت میں لاہور سے شروع ہوئی۔ ۱۹۵۰ء کے اوائل میں محترم مولانا نسیم سیفی صاحب حال ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ اس کے انچارج مقرر ہوئے اور اکتوبر ۵۰ء میں ان کے نائیجریا چلے جانے کی وجہ سے ریویو آف ریلیجنز کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اسے بند کر دیا گیا۔

اس اخبار میں نہایت مفید اور اعلیٰ مضامین نکلتے رہے۔ امام جماعت احمدیہ کے خطبات اور تقریروں کا خلاصہ انگریزی زبان میں شائع ہوتا رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض کتب اور تحریروں کا ترجمہ بھی اس اخبار میں شائع ہوا۔

"سن رائز" نے تقریباً ربع صدی تک نہ صرف جماعت احمدیہ کی تربیت اور دعوت و ارشاد کی ضروریات کو پورا کیا بلکہ دوسرے مسلمانوں کی ریاستی تحریکات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

26۔ ماہنامہ "مصباح" قادیان۔ ربوہ

مصباح جماعت احمدیہ کی خواتین کا رسالہ ہے۔ ابتداء میں یہ رسالہ پندرہ روزہ تھا لیکن بعد میں ماہوار رسالہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کا اجراء ۱۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو قادیان سے ہوا۔ جماعت کی خواتین اس کی اعانت میں ہر طرح سے حصہ لیتی رہیں۔ اوائل میں دس گیارہ سال تک اس کی ادارت مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کے سپرد رہی۔ اس کے بعد مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب سابق انچارج صیغہ زود نویسی جو اس وقت ادارہ الفضل میں شامل تھے اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ماہ جولائی ۱۹۴۷ء میں عورتوں کی مرکزی تنظیم لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اس کا انتظام کلیتہ اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن جلد ہی ملکی حالات کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا۔

اپریل ۱۹۵۰ء میں محترمہ امتہ اللہ خورشید صاحبہ بنت حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کی ادارت میں ربوہ سے شائع ہونا شروع ہوا۔ ان کی وفات (۲۶ ستمبر ۱۹۶۰ء) کے بعد محترمہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ اہلیہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ و مفتی سلسلہ نے اس کی ادارت کے فرائض سنبھالے اور لمبے عرصہ تک انہیں نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ آپ کے بعد مکرمہ امتہ اللطیف خورشید صاحبہ اس کی مدیر رہیں۔ موجودہ مدیرہ مکرمہ سلیمہ قمر صاحبہ بنت مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب ایم۔اے ایم او ایل انچارج خلافت لائبریری ربوہ ہیں۔

اس رسالہ میں مذہبی، علمی، معاشرتی اور اخلاقی مضامین کے علاوہ سلائی، خانہ داری اور حفظان صحت کے بارہ میں خواتین کی راہنمائی کی جاتی ہے۔

27۔ ماہنامہ "دی میسج" کولمبو (سری لنکا)

یہ اخبار قریباً ۱۹۲۸ء میں جاری ہوا۔ یہ اخبار احمدیت کے نقطہ نگاہ سے اسلام کی اہم خدمات بجا لا رہا ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی صحیح تعلیم پیش کر کے اس کے ماننے والوں کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

۱۹۴۹ء میں بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر اس کی اشاعت بند ہو گئی لیکن اگست ۱۹۵۵ء میں دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا۔ اس وقت اس کے ایڈیٹر محترم مولوی محمد اسماعیل صاحب منیر فاضل تھے۔ ان کی ادارت میں اس رسالہ نے روز افزوں ترقی کی اور اشاعت میں بہت اضافہ ہوا۔

یہ رسالہ انگریزی اور تامل زبانوں میں شائع ہوتا ہے اور سیلون کے علاوہ جنوبی ہند، بورینو، برما اور ملایا میں بھی بھیجا جاتا ہے اور تعلیم یافتہ مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔

28۔ ماہنامہ "صداقت" نگومبو سری لنکا

یہ رسالہ دراصل ماہنامہ "دی میسج" کا تامل ایڈیشن ہے جو ۱۹۲۸ء سے نگومبو سری لنکا سے نکل رہا ہے۔ سری لنکا کے علاوہ اس کی اشاعت ان دوسرے علاقوں میں بھی کی جاتی ہے جہاں تامل زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

29۔ "تعلیم الاسلام" قادیان

۱۹۳۰ء میں سہ ماہی رسالہ کی صورت میں قادیان سے شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا میگزین تھا اور اس کا سارا اہتمام سکول کے اساتذہ اور طلباء کے سپرد تھا۔ انگریزی حصہ کے ایڈیٹر مکرم میاں محمد ابراہیم صاحب بی۔اے سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ و احمدی مشنری

بقیہ صفحہ 37 پر

☆ رپورٹ دوسری سالانہ علمی ریلی

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان۔ (7 تا 9 جولائی 1995ء)

ناظم اعلیٰ علمی ریلی

یہ زمانہ دجالی قوتوں کے ساتھ علمی اور روحانی جنگ کا زمانہ ہے۔ جس کی قیادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے جانشینوں کو عطا کی ہے۔ جن کے ذریعہ قرآن کی حکومت تمام دنیا پر قائم کی جانی مقدر ہے۔ یہ عظیم مقصد تمام جماعت احمدیہ خصوصاً خدام الاحمدیہ کے تمام پروگراموں کا آخری مرکزی نکتہ ہے کیونکہ وہ جماعتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نوجوانوں میں علمی مسابقت اور دینی ذوق کو اجاگر کرنے کے لئے علمی مقابلہ جات کا ایک پروگرام خدام الاحمدیہ کے آغاز سے شروع ہے۔ جو سالانہ مرکزی اجتماع پر اپنی انتہا کو پہنچ جاتا تھا۔ اب بھی تمام مجالس، تحصیل اور ضلعی و علاقائی اجتماعات کے موقع پر یہ مقابلے بڑے اہتمام سے ہوتے ہیں مگر ان میں مرکزیت کا رنگ بھرنے کے لئے لائحہ عمل کا ایک مستقل حصہ بن گیا ہے اور مسلسل ترقی پذیر ہے۔ گزشتہ سال تلاوت قرآن کریم، نظم، تقریر اور معلومات کے یعنی چار مقابلے منعقد ہوئے تھے۔ امسال ان میں بیت بازی اور مرکزی تحریری امتحان کا اضافہ کیا گیا۔ ضلعی قیادت کو دعوت دی گئی کہ تمام مقابلوں میں تین تین خدام بھجوائیں۔ تاہم بیت بازی میں ہر ضلع کی تین خدام پر مشتمل ٹیم شرکت کر سکتی ہے۔ اس مرکزی علمی ریلی سے قابل مجالس، اضلاع و علاقہ جات کی سطح پر علمی مقابلے کروانے کی تلقین مرکز کی طرف سے کی گئی اور متعدد اضلاع نے ایسے مقابلہ جات کروائے جن میں منتخب ہونے والے خدام اس مرکزی علمی ریلی میں بھجوائے گئے۔

☆ **حاضری:۔** 1994 میں ہونے والی ریلی میں 23 اضلاع کے 84 خدام شریک ہوئے تھے۔ مگر امسال 34 اضلاع کی 82 مجالس کے 161 خدام نے شرکت کی۔ الحمد للہ علی ذٰلک

☆ **افتتاح:۔** افتتاح سے قبل ایک بکرا بطور صدقہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا گیا اور رات 8 بجے ایوان محمود میں مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر الفضل نے ریلی کا باقاعدہ افتتاح فرمایا۔

"آپ نے اپنے خطاب میں ریلی کے انعقاد پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے خدام کو پورے ذوق کے ساتھ مقابلوں میں شرکت کی تعلیم دی۔ اور فرمایا کہ ہر چوٹی پر ایک جگہ خالی ہوتی ہے جسے سر کرنے کے لئے ہر فرد کو کوشش کرنی چاہئے۔ پس بلند حوصلوں کے ساتھ آگے بڑھیں اور بڑھتے چلے جائیں۔"

اس افتتاحی تقریب میں متعدد بزرگان سلسلہ نے بھی شرکت فرمائی اور تقریب کو رونق بخشی۔

☆ **انتظامیہ:۔** اس ریلی کے ناظم اعلیٰ مکرم عبدالسمیع خان صاحب مہتمم تعلیم تھے اور درج ذیل احباب

۔۔۔نے ان کی معاونت کی۔

O۔ نائب ناظم اعلیٰ:۔ مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان

O۔ ناظم مقابلہ جات:۔ مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز

O۔ ناظم رجسٹریشن، مہمان نوازی صفائی:۔ مکرم ظہیر احمد خان صاحب

O۔ ناظم رہائش، روشنی، آب رسانی:۔ مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب

O۔ ناظم سٹیج، انعامات و اشاعت:۔ مکرم نصیر احمد صاحب انجم

O۔ ناظم خوراک:۔ مکرم سید محمود احمد صاحب

O۔ ناظم رابطہ:۔ مکرم سید طاہر محمود صاحب ماجد

☆ **اختتامی تقریب:۔** مورخہ 9 جولائی کو صبح سوا دس بجے ایوان محمود ہال میں ایک سادہ اور پروقار تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے خدام کا عہد دھرایا۔ نظم کے بعد مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے رپورٹ پیش کی۔ مہمان خصوصی مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر بیت المال خرچ نے امتیاز پانے والے خدام کے درمیان انعامات و سندات تقسیم کیں آپ کے خطاب سے قبل مقابلہ تقریر میں اول آنے والے خادم عمر وسیم ملک صاحب ربوہ نے تقریر کی۔ بعد ازاں مہمان خصوصی نے مختصر خطاب سے نوازا۔ جس میں آپ نے خدام کے لئے ایسی علمی مجالس میں شرکت کرنے کی افادیت کا ذکر کیا کہ اس دور میں جب مادیت کے زہر پھیل رہے ہیں۔ نوجوانوں کو آوارگی سے محفوظ رکھ کر ان میں مثبت اور تعمیری روح مسابقت پیدا کرنے کے لئے ایسے مقابلہ جات نہایت ضروری ہیں۔ آخر پر دعا کے بعد علمی ریلی اختتام کو پہنچی

☆ **نتائج:۔** کل 6 مقابلہ جات میں اس ترتیب سے خدام نے شرکت کی۔

O تلاوت قرآن کریم۔ 38 O نظم۔ 46 O تقریر۔ 40

O معلومات۔ 58 O بیت بازی۔ 30(10 ٹیمیں) O امتحانی پرچہ۔ 25

مقابلہ جات کے نتائج بھی ریکارڈ کی غرض سے پیش ہیں۔

☆ **تلاوت:۔** اول مکرم سلطان محمد صاحب دارالنصر شرقی ربوہ

دوم:۔ مکرم حافظ عبد الصبور صاحب ملیر۔ کراچی سوم:۔ مکرم ڈاکٹر حافظ شبیر احمد عثمانی صاحب قصور

حوصلہ افزائی:۔ مکرم حافظ جان محمد عباس صاحب لاہور۔ مکرم محمود اکرم بھٹی صاحب گوجرانوالہ

☆ **نظم اول:۔** مکرم عبد الخالق محسن فاروقی صاحب لاہور

دوم:۔ مکرم میر نعیم الرشید صاحب راہوالی۔ گوجرانوالہ۔ سوم:۔ مکرم مظفر احمد چوہان صاحب میرپور۔ AK

حوصلہ افزائی:۔ مکرم شہزاد احمد صاحب۔ مرید کے۔ و مکرم محمد ابتسام صاحب گوجرانوالہ

☆ تقریر اول:۔ مکرم عمرو سیم صاحب ربوہ دوم:۔ مکرم محمد رفیق صاحب راولپنڈی

سوم:۔ مکرم سیف الرحمان صاحب حوصلہ افزائی:۔ مکرم عمر حیات صاحب کوئٹہ

☆ بیت بازی اول ٹیم ضلع سرگودہا:۔ (مکرم ہدایت اللہ شاہد' مکرم سہیل احمد مجوکہ' مکرم محمد منور ریحان)

دوم ٹیم ربوہ:۔ (مکرم طارق محمود' مکرم فہیم احمد' مکرم کرامت اللہ)

سوم ٹیم کوٹلی آزاد کشمیر:۔ (مکرم محمد جاوید' مکرم زعیم الدین' مکرم عبدالغفور نجم)

حوصلہ افزائی: (اچھے انداز اور عمدہ اشعار پر) مکرم محبوب احمد ریحان کراچی

☆ مرکزی امتحان اول:۔ محمد مقصود منیب صاحب ربوہ

دوم: سہیل احمد مجوکہ صاحب بھلوال ضلع سرگودھا سوم:۔ مکرم ارشد محمود بھٹی صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ

☆ معلومات: اول: مکرم سرور احمد صاحب ڈرگ کالونی کراچی

دوم: مکرم ہدایت اللہ شاہد بھلوال ضلع سرگودھا سوم:۔ مکرم نعمان صاحب حیدر آباد

شدید گرمی کے ایام میں خدام نے بھرپور حوصلہ اور ہمت کا مظاہرہ کیا اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ تمام پروگراموں میں شرکت کی۔

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ان تمام خدام' قائدین اضلاع و علاقہ' منصفین کرام اور دیگر تمام منتظمین کی مشکور ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم سے نوازے۔ اور یہ سلسلہ فیض مسلسل جاری رہے اور برکتوں سے دامن بھرتا چلا جائے آمین۔

بقیہ از صفحہ......33

امریکہ تھے اور اردو حصہ کی ادارت کے بعد دیگرے ماسٹر غلام محمد صاحب مرحوم اور ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی کے سپرد رہی۔ یہ رسالہ قریباً تین سال تک جاری رہا۔ بعد میں اس کی اشاعت رک گئی۔ اس کا مقصد طلباء میں علمی اور ادبی ذوق پیدا کرنا تھا۔ اس میں حضور اور ناظران سلسلہ کے بعض مضامین بھی شائع ہوئے۔

30 ۔ "جامعہ احمدیہ" قادیان

یہ رسالہ جامعہ احمدیہ قادیان کا میگزین تھا جس کا سارا انتظام طلباء کے سپرد تھا۔ اس کا ایک حصہ عربی اور ایک حصہ اردو زبان میں شائع کیا جاتا تھا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضل جو اس وقت جامعہ احمدیہ میں پروفیسر تھے کی زیر نگرانی اپریل ۱۹۳۰ء میں قادیان سے جاری ہوا اور سال میں چار دفعہ نکلتا رہا۔

اس کا مقصد طلباء جامعہ احمدیہ میں ادبی' علمی اور تبلیغی ذوق پیدا کرنے اور انہیں آئندہ فرائض کی بجاآوری کے لئے تیار کرنا تھا۔ اس میں طلباء' پروفیسران اور علماء سلسلہ کے لکھے ہوئے نہایت اہم اور قیمتی مضامین چھپتے رہے ۔۔۔ میں یہ رسالہ بند کر دیا گیا۔

باقی آئندہ

ضروری وضاحت

جولائی ۱۹۹۵ء کے شمارہ صفحہ ۳ پر تربیتی کلاس کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس میں ایک ضروری امر کا ذکر رہ گیا تھا بغرض ریکارڈ اس کا ذکر کیا جانا ضروری ہے:-

"امسال منعقدہ سالانہ تربیتی کلاس زیرِاہتمام مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں کُل ۳۹- اضلاع کی ۱۷۰ مجالس کے ۵۶۰ خدام کو شرکت کی سعادت ملی۔ جبکہ گزشتہ سال ۱۹۹۴ء میں ۳۳- اضلاع کی ۱۵۹ مجالس کے ۵۷۰ طلباء کو شرکت کی توفیق ملی تھی۔"

Monthly **Khalid** Rabwah

REGD. NO. L5830 | Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz | AUGUST 1995
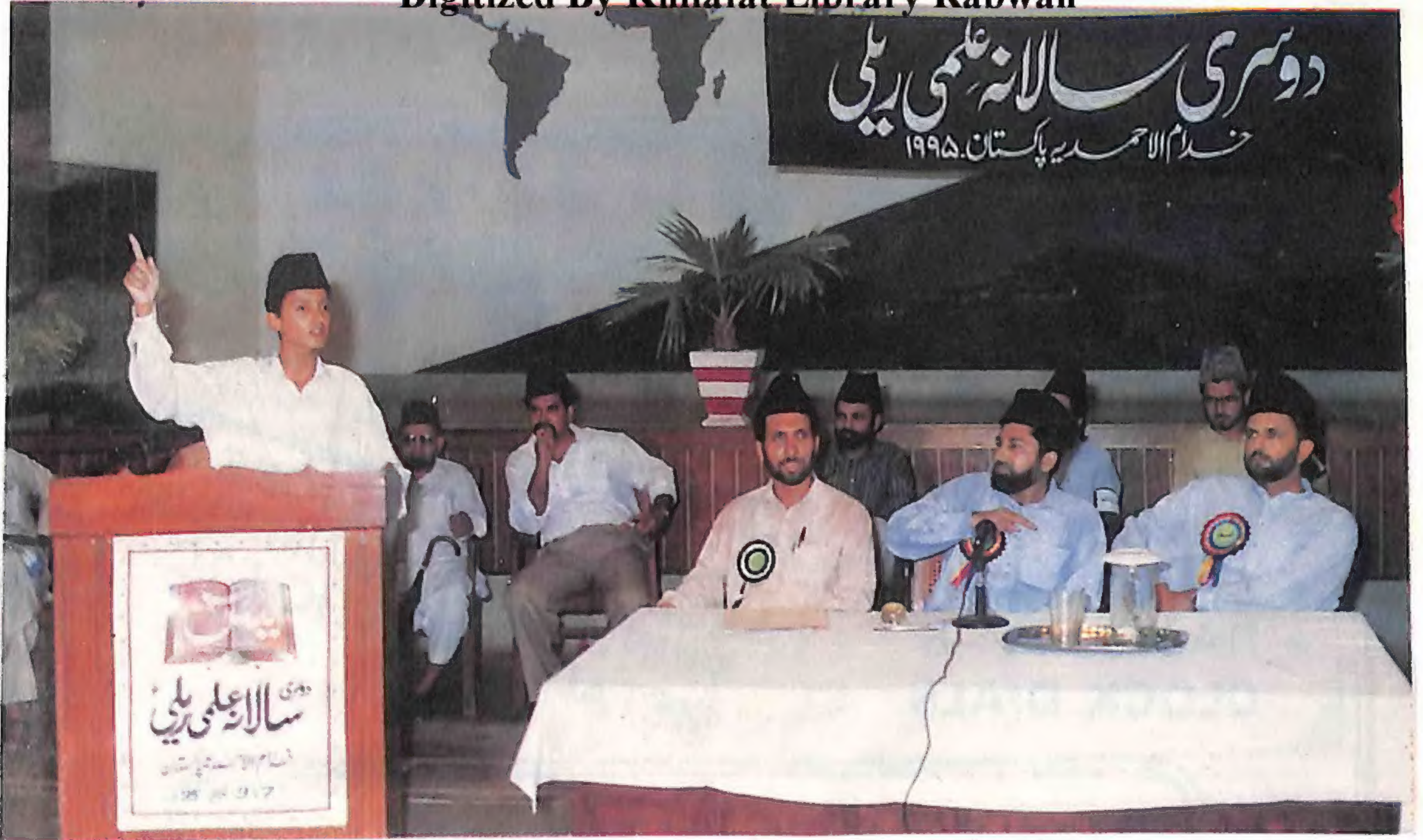
دوسری سالانہ علمی ریلی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے مقابلہ تقاریر میں اوّل آنے والے
مکرم عمر وسیم ملک صاحب ربوہ تقریر کر رہے ہیں۔

دوسری سالانہ علمی ریلی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں شریک خدام